کتاب و سنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد حیدرآباد

Volume:18 Issue:4 April 2025

مدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.ia

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

اشرف الجرائد کی توسیع و اشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

درسِ قرآن



رمضان میں ملی تقویٰ کی سوغات کی قدر کریں

از: مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ ۠ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ ۣ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ (سورۂ آلِ عمران)

ترجمہ: اور یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر کبھی کوئی بے حیائی کا کام کر بھی بیٹھتے ہیں یا (کسی اور طرح) اپنی جان پر ظلم کر گذرتے ہیں تو فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں گناہوں کی معافی مانگتے ہیں، اور اللہ کے سوا ہے بھی کون جو گناہوں کی معافی دے؟ اور یہ اپنے کیے پر جانتے بوجھتے اصرار نہیں کرتے۔

توضیح: رمضان المبارک کی مبارک گھڑیاں ختم ہونے کو ہیں، جس بندے کو جس قدر توفیق میسر ہوئی وہ اس ماہ مبارک کی تربیتی سوغات کو بٹورتا رہا، نیکی کے ماحول سے فائدہ اٹھاتا رہا، معصیت، فسق و فجور سے اجتناب کرتا رہا، ''لعلکم تتقون'' ہی باری تعالیٰ کا مقصد تھا، سال بھر جن گناہوں کا عادی تھا اور جن معروفات سے غافل تھا اس ماہ صیام کی برکت سے معروفات کا بھی اہتمام کرتا رہا، منکرات سے بھی پرہیز کرتا رہا اور یہ سب کام اپنے مالک و مولیٰ کو راضی اور خوش کرنے کے لیے کرتا رہا، اب اسی احساس کو غیر رمضان میں بھی زندہ تابندہ رکھنا اصل کمال بھی ہے اور قبولیت کی علامت بھی، اعمال پر مداومت دراصل بندے کی وہ کامیاب مستحسن کوشش ہوتی ہے جو عند اللہ محبوب و مشکور ہوتی ہے ''کان سَعیُکم مَّشکورا'' اور توبہ کی قبولیت کی علامت یہ ہوتی ہے بندہ اس معصیت پر اصرار نہ کرے، اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے مہینہ بھر روزہ رکھوا کر عبادتیں کروا کر تقویٰ کی چنگاری دل میں پیدا کر دی گئی ہے، اب ہمارا فرض یہ ہے کہ اس کو پورے سال سنبھال کر رکھیں، عبادتوں کا جو

* ذمہ دار ادارہ حبیب المدارس، گھٹکیسر، حیدرآباد

ذوق ملا تھا اس کو باقی، تازہ رکھنے کی کوشش کرتے رہیں رمضان المبارک کا اصل مقصد یہی ہے۔

مذکورہ آیت میں اہل تقویٰ کی علامات بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے جب ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو اس معصیت کے بوجھ سے ان کی حالت غیر ہو جاتی ہے، بڑے نادم شرمندہ ہو کر فوراً اپنے پروردگار کو یاد کرتے ہیں اور اس سے مغفرت طلب کرتے ہیں اسی کو منانے اور راضی کرنے کی کوششیں کرتے ہیں اور ان کی ایک خوبی یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ گناہوں پر اصرار نہیں کرتے، بشری تقاضے سے ایک دفعہ کوئی گناہ ہو گیا وہی ان کے لیے سبکی اور خفت کا باعث ہوتا ہے ایسے اہل توبہ کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ ”ایسے لوگوں کے لیے مغفرت اور جنت ہے یہ کام کرنے والوں کے لیے بہترین اجر ہے۔“

تبوک کے موقع پر صحابہ کرامؓ کے لشکر سے پیچھے رہ جانے والے تینوں صحابی جن کو اپنی اس غفلت پر اس قدر ندامت ہوئی اور وہ اپنی ندامت میں کتنے سچے اور مخلص تھے حالات اتنے کٹھن آئے، آزمائشیں اتنی سخت ہوئیں اس کی منظر کشی کرتے ہوئے خود قرآن کہہ رہا ہے ”مدینے کی سرزمین باوجود وسعتوں کے ان پر تنگ ہو چکی تھی، وہ خود اپنے آپ میں گھٹن محسوس کر رہے تھے“ لیکن توبہ پر ثبات قدمی ایسی کہ پہاڑ بھی متزلزل ہو جائے پھر اس کے بعد عرش اعظم سے ان کے لیے بخشش کا پروانہ بھیجا گیا۔ وہ صحابیہ جن سے زنا کا ارتکاب ہو چکا تھا انہیں اپنی اس بدکاری پر اتنا احساس تھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاملہ ہونے پھر بچے کے شیر خوارگی کی وجہ سے بار بار واپس کرتے رہے، وہ بار بار خدمت اقدس میں آکر پاک کروانے اور حد جاری کرنے کی مانگ کرتی رہی بالآخر ان پر حد جاری کی گئی، سنگ ساری کے درمیان ان کے جسم سے خون کا ایک چھینٹا کسی صحابیؓ کے کپڑوں پر گرا انہوں نے اپنے الفاظ سے ناگواری کا اظہار کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جملہ کو سنا تو ارشاد فرمایا اس خاتون نے اتنی سچی توبہ کی ہے کہ اہلِ مدینہ پر اس توبہ کو تقسیم کر دیا جائے تو سب کی مغفرت ہو جائے۔

یہ دونوں واقعات پیش کرنے کا مقصد صرف یہ بتلانا ہے توبہ کسے کہتے ہیں اور گناہوں پر اصرار نہ کرنے کا کیا مطلب ہوتا ہے اور اہل تقویٰ کی کیا شان ہوتی ہے

اللہ کے فضل وکرم اور اس کی توفیق سے ہم سب کو مبارک ماہ میں کچھ عبادتیں کرنے کا موقع ملا اور گناہوں سے محفوظ رہنے میں کامیابی ملی خدا تعالیٰ کی طرف سے ملی ہوئی اس سوغات اور تقویٰ کے تحفے کو سال بھر سنبھال کر رکھنا ہمارا فرض ہے، اپنے اس سال کو گزرے ہوئے سال سے بہتر بنانے کی کوشش کرنا رمضان کی عبادتوں کی قبولیت کی علامت ہے۔

اللہ پاک ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

درسِ حدیث



تقویٰ کی روشن قندیل کو بجھنے نہ دیجئے

از: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی*

عَنْ اَبِیْ عَمرَۃَ سفیانَ بنَ عبدِاللہ ؓ قَالَ: قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللہ! قُلْ لِیْ فِی الْاِسْلَامِ قَوْلاً لَا اَسْأَلُ عَنْہُ اَحَدًا غَیْرَکَ. قَالَ: قُلْ: آمَنْتُ بِاللہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ. (رواہ مسلم: ۳۸)

ترجمہ: حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اسلام میں ایسی جامع نصیحت فرمایے کہ آپ کے بعد کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہو: میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر ثابت قدم ہوجاؤ۔

تشریح:۔ رمضان المبارک کے مقدس لمحات وساعات اور بابرکت ایام واوقات قریب بہ ختم ہیں، ایک ایسا عظیم الشان ووقیع المرتبت مہینہ جس میں حق تعالیٰ شانہ اپنے بندوں اور بندیوں کی براہِ راست تربیت و اصلاح فرمارہے تھے، شیطانی حملوں اور نفسانی خطروں سے محفوظ وسالم بنادیا گیا تھا، ہر طرف روحانیت و نورانیت کی چادر تن دی گئی تھی، ماحول میں فرشتوں کی نورانی آمد، تلاوتِ قران کی مہک، تراویح کی رونق، روزوں کی عبادت، خیرات وصدقات کی کثرت اور اس طرح کے مزید اعمالِ خیر کی برکات نے ایک عجیب سا سماں باندھ دیا تھا، جس کی وجہ سے ہر مسلمان مرد وعورت رضائے الٰہی کو پانے اور مغفرت وبخشش کو حاصل کرنے کے لیے ہمہ وقت کوشاں اور جہدِ مسلسل میں لگے ہوئے تھے؛ لیکن جیسے ہی ماہِ منور ختم ہوگا تو شیاطین جو پابندِ سلاسل تھے چھوٹ کر آزاد ہوجائیں گے، انسانی خواہشات (جس پر روزوں نے لگام کس رکھی تھی) بے لگام ہوجائیں گی، اطراف و جوانب (جس میں جو روحانی انقلاب اور نورانی تبدیلی پیدا ہوئی تھی) وہ ظلمات و اندھیریوں سے بدل جائیں گے، ایسے پر خطر اور نازک وقت میں ہر اس شخص کو جس نے رمضان کے مقدس مہینے میں جو خیر و بھلائی بھی کی ہے اس کو آگے بھی لے چلنا، جو اطاعت وعبادات کی قندیلیں روشن کی تھی اس کو بجھنے نہ

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

دینا، قلوب میں تقوی اللہ کی جو دِیا جلائی گئی تھی اس کو معصیتوں اور نافرمانیوں کے جھونکوں سے بچا کے رکھنا، اور محنت اور جدو جہد کی راہ پر جو قدم چل رہے تھے اس کو غفلت لاپرواہی کی رکاوٹوں سے محفوظ رکھنا ایک بڑا کام ہی نہیں بلکہ ایک عظیم مجاہدہ ہے جو بہر حال اہلِ ہمت وعزیمت سے کوئی ناممکن بات بھی نہیں ہے۔

زیرِ نظر حدیث شریف میں صحابیٔ رسول نے حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام سے کوئی جامع (مختصر ومفید) نصیحت کرنے کی فرمائش کی تو دو باتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائی؛ جو دریا بہ کوزہ کے مصداق گویا پورے دینِ اسلام کا خلاصہ اور نچوڑ ہیں۔ ۱۔ ایمان باللہ، ۲۔ اس پر استقامت

پہلی بات ارشاد فرمائی: کہو امنت باللہ، دینِ اسلام کی اصل اور بنیاد چوں کہ عقیدہ توحید پر ہے؛ اس کے بغیر کوئی عمل عنداللہ حیزِ قبولیت میں نہیں پہنچتا، اس لیے پہلی نصیحت باری تعالیٰ شانہ کی الوہیت ربوبیت کا اعتقاد ہے، جب بندۂ خدا اس کو تسلیم کر لیتا ہے تو پھر زندگی کے ہر حرکت وسکون میں اللہ رسول کے احکامات وارشادات کا پابند ہو جاتا ہے، اس لئے عقیدہ وعمل سے لے کر اخلاق ومعاشرت تک تمام احوال ومقامات میں خود رائی آزادی ضمیر سے بچ کر فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول کی شان اپنے اندر پیدا کر لینا ہی کامیابی کی ضمانت اور نجاتِ اخروی کی شرط ہے؛ جس کو حدیث میں استقامت کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے، یعنی عمل ہو اور مسلسل ہو، اور اسی پر حیات وممات کا عزم مصمم ہو، اس لیے رمضان کے ختم ہونے کے بعد بھی اس مہینہ سے ملی ہوئی دولتِ تقویٰ کو تازہ رکھنا چاہیے، اور مسلسل عمل میں لگے رہنا چاہیے؛ کہ یہی اصل رمضان کی دولت ہے، اور یہی اللہ تعالیٰ کے پاس کامیابی اور مقبولیت کی علامت ہے، اس کے برعکس اگر کوئی شخص رمضان کے گزرنے کے بعد اپنے اعمال میں کوتاہ ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو استقامت کی وہ عظیم دولت نصیب نہیں ہوسکی جو رمضان کے مبارک مہینہ میں اللہ تعالیٰ دینا چاہتے تھے۔

اس لیے ارادہ اور ہمت کو بلند کر کے رمضان کے بعد بھی اعمال وعبادات کے اہتمام میں کمی نہیں کرنا چاہیے، اور اگر غفلت لاپرواہی ہو جائے تو فوراً استغفار وتوبہ اور رجوع الی اللہ کے سرمائے کو استعمال کر کے رب تعالیٰ شانہ سے اپنے آپ کو قریب کر لینا چاہیے کہ یہی بندگی کی شان اور عبدیت کی روح ہے۔

پیش گفتار

نو فاضل طلبہ سے ایک اہم خطاب

اس سال ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد کے شعبۂ عالمیت میں دورۂ حدیث سے ۲۶ ؍طلبہ کرام اور شعبۂ افتاء سے ۱۹ طلبہ نے الحمدللہ فراغت حاصل کی ہے،اسی مناسبت سے ۷ ؍شعبان ۱۴۴۶ھ م ۶ ؍فروری ۲۰۲۵ء کو تکمیل درسِ بخاری شریف کی مجلس نیز ان کی تقریبِ تہنیت و اعطائے اسانادات منعقد ہوئی ، اس روحانی و نورانی اجلاس میں مدیر محترم مدظلہ العالی نے نو فارغ علماء و فضلاء اور حاضرین و شرکاء اجلاس سے فکر انگیز خطاب فرمایا: ذیل میں وہی خطاب ادارہ کے مؤقر استاذ محترم و مکرم مولانا مفتی محمد احمد علی صاحب قاسمی زید فضلہٗ کی ترتیب و کاوش سے قارئینِ اشرف الجرائد کی خدمت میں ادارتی صفحات پر پیش ہے۔ازمرتب

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی رسولہ الامین. امابعد

نعمتِ ہدایت عظیم الشان نعمت ہے

جتنی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس دنیا کے عارضی قیام میں عطا فرمائی ہیں ،سب قابلِ قدر ہیں ، قابل احترام اور لائق شکر ہیں ؛لیکن ان تمام نعمتوں میں جو سب سے بڑی نعمت دی گئی ہے وہ ’’ہدایت‘‘ کی نعمت ہے، ہدایت یعنی زندگی کے صحیح مقصد کو پہچاننا اور اس مقصد کو پورا کرنے کے ذرائع کو اختیار کرنا۔اور یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر کسی کو میسر نہیں ہے، **الحمدللہ الذی ھدانالھذاوماکنالنھتدی لولاان ھدانااللہ** اگر اللہ تعالیٰ ہمیں سیدھی راہ نہ دکھاتا تو ہم ہرگز سیدھی راہ کو نہیں پا سکتے تھے،حضور ﷺ بھی اس کا شکرادا کرتے رہتے تھے **لولااللہ مااھتدینالاتصدقنا و لاصلینا** اگر اللہ نہ ہوتے تو نہ ہم ہدایت پاتے ، نہ نمازی بنتے ، نہ صدقہ خیرات کرتے ، جو کچھ ہم اچھے کام کررہے ہیں وہ حق تعالیٰ شانہ کی توفیق کا صلہ ہے،ہمیں یہ ماننا چاہیے کہ اللہ نے ہمیں جو ہدایت دی،نورِ ایمان اور اپنی ذات کی معرفت نصیب فرمائی ، اپنے حبیب ﷺ سے محبت عطا

فرمائی، اور اپنی کتاب سے اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے جوڑا؛ تو اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں ہے، یہ سب حق تعالیٰ شانہٗ کا فیضان، اس کی عطا وکرم ہے، اگر اس کی نظرِ عنایت متوجہ نہ ہوتی تو ہم بھی دنیا کے غافلوں میں شامل ہوتے، آخرت سے اور اپنے رب سے غافل زندگی گزار رہے ہوتے، کتنے لوگ ہیں جو ہم سے زیادہ سمجھ دار، ہم سے زیادہ علم وعقل والے، ہم سے زیادہ حسن و جمال والے، اور ہم سے زیادہ حیثیت والے ہیں لیکن کفروشرک میں مبتلا ہیں، تو کس نے انہیں محروم کیا؟ اور کس نے ہمیں یہ نعمت عطا فرمائی؟ وہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات ہے۔ علماء کو بالخصوص ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ممنونِ کرم رہنا چاہیے، اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اس شرف سے مشرف نہ فرماتا، اس سعادت سے سعادت مند نہ بناتا تو ہم کہاں ہوتے؟ اس پر ہمیشہ نظر رکھنا چاہئے، انسان کا مزاج نفس وشیطان نے ایسا بنا دیا ہے کہ جو چیزیں ہمارے پاس نہیں ہیں اُن کا شکوہ کرنے میں زندگی گزر جاتی ہے، جو اللہ نے دیا ہوا ہے اس کے شکر کی طرف دھیان بھی نہیں جاتا، جو کچھ اللہ نے ہمیں دیا ہوا ہے وہ اتنا ہے کہ عمر کا لمحہ لمحہ اس کے شکر میں گزارا جائے تو بھی ہم شکر کا حق ادا نہیں کر سکتے، شکر کا حق تو کیا ادا کر سکتے شاکرین میں شمار ہوجائیں یہ بھی مشکل ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کا بالخصوص نعمتِ ہدایت اور نعمتِ علمِ دین کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے، یقیناً اسباب کے درجے میں والدین ایک سبب ہیں، اساتذہ ایک سبب ہیں؛ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اگر آسمانی انتخاب نہ ہوتا، رب تعالیٰ شانہ کی نظرِ عنایت نہ ہوتی تو کون کس کو عالم بنا سکتا؟ کون کس کو حافظ بنا سکتا؟ صرف بخاری شریف میں 7 ہزار سے زائد حدیثیں آپ نے پڑھی ہیں، اس کے علاوہ نو کتابیں اور بھی آپ لوگوں نے پڑھی ہیں، ظاہر ہے کہ ان سب حدیثوں کا مجموعہ لاکھوں سے متجاوز ہے، اتنا کچھ پڑھنے کی توفیق کا مل جانا کیا کوئی آسان کام ہے؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں حفظِ حدیث کی تمنا اس وقت ڈالی گئی جب میں مکتب میں قرآن پاک حفظ کر رہا تھا، آپ ان کے الفاظ پہ غور کیجئے **اُلْهِمْتُ** کہ **''میرے دل میں الہام کیا گیا''** یعنی وہ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ من جانب اللہ میرا انتخاب ہوا، اور مجھے اس کام کی توفیق دی گئی کہ میں حفظِ قران سے فارغ ہونے کے بعد حفظِ حدیث پر توجہ دوں، خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آپ حافظ وعالم محض اسبابِ ظاہرہ سے نہیں بن پائے توفیقِ ایزدی اور الہامِ الٰہی نے اپنا کرشمہ دکھایا۔

عظمتِ علمِ دین اور اس کا احساس

اس واسطے جن کو بھی علمِ دین کی توفیق ملی وہ شکر ادا کریں کہ اگر اللہ تعالیٰ ارادہ نہ فرماتا تو ہم کبھی اس لائق نہ ہوتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیثِ شریفہ کی 10 / کتابیں پڑھ سکیں؟ اور بعض کتابوں کو تو آپ نے اول تا

آخر تمام عنوانات اور تمام احکام ومسائل کو سمجھ کر پڑھا ہے، کیا یہ معمولی بات ہے؟ جو علم ایک حدیث کے اندر ہوتا ہے، جو علم قران کریم کی ایک آیت کے اندر ہوتا ہے وہ دوسرے علوم وفنون کے پورے نصاب میں نہیں ہوتا، میڈیسن کا پورا نصاب، انجینئر نگ کا پورا نصاب، سائنس کا پورا نصاب، ٹیکنالوجی کا پورا نصاب، اور دنیا میں جتنے علوم ہیں وہ سارے علوم مل کر قرآن وحدیث کی ایک عبارت کا مقابلہ کرنے کی جسارت نہیں کر سکتے، اللہ کا کلام تو اللہ کا کلام ہے جو علم اس نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا؛ جس کی شان اوتیت علم الاولین و الآخرین ہے، یعنی مجھے اتنا علم دیا گیا کہ اولین وآخرین میں کسی نہیں دیا گیا، ان باتوں میں سے کسی ایک بات کا بھی دنیا کا کوئی علم مقابلہ نہیں کرسکتا، اور جب ایک بات کا یہ مقام ہے تو آپ ہزاروں باتیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنے اساتذہ کی موجودگی میں اس کی تفہیم وتشریح کے ساتھ جان گئے ہیں، تو یہ کتنی بڑی نعمت ہے؟ آپ کے دل میں اس علم کی عظمت کا احساس ہمیشہ جاگتے رہنا چاہئیے اس کے مقابلہ میں دنیا کی کسی مادی نعمت کی کوئی وقعت نہیں۔

بادشاہ ہارون رشید کے محل میں شہزادے کو ایک استاد پڑھانے کے لئے آیا کرتے تھے، اس کا تیسواں پارہ مکمل حفظ ہو گیا، بادشاہ کو اطلاع ملی تو اس نے ایک چھوٹی سی تقریب رکھی، اور سارے امیر کبیر نواب اور درباری کو کھانے پر مدعو کیا، سب کی ضیافت کرنے کے بعد بادشاہ نے اشرفیوں کا نذرانہ حافظ جی کی خدمت میں پیش کیا کہ یہ آپ کے لیے ہدیہ ہے، قبول فرمالیجئے، یہ نذرانہ حافظ جی کے تصور سے بہت زیادہ تھا، اس لیے انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ حضور! یہ کیا ہے؟ کہا: یہ ہمارے بچے کو ایک پارہ قرآن پڑھانے کا نذرانہ ہے، انہوں نے تکلف وتصنع سے کام لیتے ہوئے کہا: میں نے ایسا کیا بڑا کام کیا؟ لیکن بادشاہ نے اصرار کر کے دے دیا، اور جب مجلس برخواست ہوگئی، سب لوگ جانے لگے تو بادشاہ نے استاد کو بلا کر کہا کہ کل سے آپ میرے بچے کو پڑھانے کے لیے نہیں آئیں گے، میں دوسرا انتظام کر رہا ہوں، ان کے پیروں تلے زمین کھسک گئ، پریشان ہو گئے، یہ کیا بات ہے؟ ابھی تو اتنی عنایت تھی اور ابھی اتنا زبردست عتاب کہ اس خدمت ہی سے معزول کر دیا، پوچھا: تو بادشاہ نے کہا: قرآنِ کریم کے پورے ایک پارے کی آپ کی نظر میں ایک ہزار اشرفیوں کے برابر ویلو نہیں ہے، آپ جیسا استاد میرے بچے کو پڑھائے گا تو اس کے اندر کیا قرآن کی عظمت پیدا ہوگی؟ اس لئے میں آپ سے پڑھوانا نہیں چاہتا۔

میرے عزیزو! جب تک آپ کے دل میں اللہ کے اس علم کی عظمت نہیں ہوگی، آپ خود بھی کسی قابل اور کسی لائق نہیں ہوں گے، ڈر لگتا ہے کہ جیسے ہارون رشید نے استاد کو کل سے پڑھانے سے منع کر دیا، حق تعالیٰ شانہٗ تو ہارون رشید سے بھی زیادہ غیور ہیں، اگر آپ اس کے علم کو وقعت نہیں دیتے وہ آپ کو خدمت کرنے سے منع فرما

دے تو عمر بھر بھٹکتے پھریں گے، کبھی کتاب وسنت کی خدمت کی توفیق نہیں ہوگی؛ کیوں کہ اللہ تو سب سے بڑا غیور اور بہت باحیا ہے۔

عالم دین کو ہمیشہ مروأت وشرافت کا خیال رکھنا چاہیئے

اس لیے آپ لوگوں سے سال کے اختتام پر پہلی بات یہی کہنی ہے کہ شکر کرو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وقلیل من عبادی الشکور**، یعنی میرے بندوں میں شکر گذار بندے بہت ہی تھوڑے ہیں۔ امام شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم کو چاہیے کہ ہر وقت مروأت کا خیال رکھے، مروأت کو اردو میں ہم لوگ شرافت وسماحت اور خوش خُلقی کہتے ہیں، اپنی شرافت کا خیال رکھیں، آپ کے اخلاق، آپ کا رہن سہن، آپ کی بود و باش، آپ کی سوچ وفکر اہل بستی کے لیے رہنما ہوں، اگر آپ کے دل میں حاصل کئے ہوئے علم کی عظمت نہیں ہے، تو یہ بہت بڑی محرومی کی بات ہے، صرف بدنصیبی ہی نہیں؛ بل کہ بڑی بڑی محرومیوں کا سامنا اس عالم کو کرنا پڑے گا جو اپنے پاس موجود علمِ دین کی دولت سے دوسروں کی کوڑیوں کو زیادہ وقعت دیتا ہو۔ ایک شخص کے پاس ایک کروڑ ہیں، ایک شخص کے پاس چار کوڑیاں ہیں، جس آدمی کے پاس ایک کروڑ ہیں وہ اس کی کوڑیوں کو دیکھ کے للچا رہا ہے، اور اس کے منہ سے پانی گر رہا ہے، ہائے میرے پاس یہ کوڑیاں نہیں ہیں، ہائے میرے پاس نہیں ہیں، تو آپ کیا بولیں گے؟ یہی بولیں گے نا کہ اس کو کسی پاگل خانے میں لے جا کر داخل کردو۔

علماء اگر حدیث کی 10 کتابیں پڑھنے کی عظیم تر و وقیع تر نعمت کے مقابلہ میں دنیا کی کوڑیوں پر نظر رکھیں تو پھر اس کو بھی سوائے پاگل پن کے اور کیا کہا جائے گا؟ آپ کو آج ان تمام حدیث کی کتابوں کو پڑھانے کی دوسروں تک پہنچانے کی اجازت اور سند مل جائے گی؛ لیکن آپ کے دل میں اس کی عظمت نہیں ہے تو پھر کچھ بھی نہیں، اس واسطے عزیز بچو! سب سے پہلا کام جو آپ کو کرنا ہے وہ اس نعمت کے وقیع وعظیم ہونے کا احساس اپنے دل میں پیدا کرنا ہے، اور اس پر شکر ادا کرنا ہے، جس قدر نعمت کے عظیم ہونے کا احساس ہوگا اتنا دل کی گہرائی سے شکر نکلے گا۔

آپ نے کیا حاصل کیا ہے؟

آپ کو احساس ہونا چاہیے کہ آپ نے کیا پڑھا ہے، آپ کو اللہ نے جو نعمت دی ہے وہ یا تو جبرئیل امین علیہ السلام کے ذریعے سے نبیؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچائی گئی تھی، یا پھر اللہ تعالیٰ نے براہ راست آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ مبارک میں الہام فرمائی تھی، وہی عظیم نعمت آپ کو ملی ہے، غور کرو کہ کتنی بڑی نعمت ہے جو علم اللہ نے اپنے نبی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا تھا وہ آپ کو دیا ہے، سوائے اس کے کہ انہیں نبوت کا مقام دیا گیا تھا جو کسی اور کو نہیں مل سکتا؛ لیکن جو علم ان کو دیا تھا وہ آپ کو دیا ہے، یہ اپنے اپنے نصیبے کی بات ہے کہ اس میں سے کون کتنا پا سکا، پاسکا؛ بہ ہر حال کہنا یہ ہے کہ اس علم کو سب سے پہلے قدر کی نظر سے دیکھو، دوسرے اس کا شکر برابر جاری رکھو، تیسرے کوئی کام ایسا نہیں کرو جو مروأت و شرافت یعنی اس علم کے وقار و مقام کے خلاف ہو۔

محدث العصرؒ کی تلامذہ کو نصیحت

محدث العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ختم بخاری کے موقع پر طلبہ سے فرمایا کہ دیکھو بچو! برسوں کی محنت سے تم نے علم کے نقوش تو حاصل کر لیے، اب علم کے انوار حاصل کرنے کے لیے کم از کم چھ مہینے کسی اللہ والے کی جوتیاں سیدھی کرلو، یہ کون کہہ رہا ہے؟ وقت کے عظیم محدث اور علم ومعرفت کے کوہِ ہمالیہ حضرت کشمیریؒ فرمارہے ہیں۔ حضرت مولانا محمد اللہ صاحبؒ ڈھاکہ میں ایک بزرگ گزرے ہیں، بہت لمبی عمر اللہ نے ان کو دی تھی، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلفاء میں سے تھے، انہوں نے پہلے بنگلہ دیش کے علماء سے تکمیلِ علوم کیا، پھر ہندوستان آئے اور مدرسہ امینیہ میں دورۂ حدیث کیا، پھر مظاہر علوم سہارنپور گئے، وہاں دورۂ حدیث تیسری مرتبہ کیا، پھر دارالعلوم دیوبند میں اس وقت علامہ کشمیریؒ کا شہرہ تھا تو دارالعلوم میں داخل ہو کر چوتھی مرتبہ دورۂ حدیث کی تکمیل کی، بڑے قابل آدمی تھے، ظاہر ہے کہ اس زمانے کے طلبہ بھی ہم جیسے علماء سے زیادہ علم وعمل اور اخلاق والے تھے، جب حضرت کشمیریؒ نے فرمایا: اتنا سب پڑھ لیا ہے، تو اب کسی اللہ والے کی جوتیاں بھی سیدھی کرلو، (جوتیاں سیدھی کرنے کا مطلب خالی چپل پلٹا کے رکھ دینا نہیں، جوتیاں سیدھی کرنا ایک عرف واصطلاح اور محاورہ ہے، اس محاورہ کا مطلب ہے اپنے کو کسی کے سامنے فنا کرنا، اپنی رائے مٹا کر کچھ دن دوسرے کی رائے اور حکم پر چل کر نفس کی مخالفت کرنا سیکھنا۔)

ظاہر ہے کہ ایسی خود سپردگی اسی اللہ والے کے سامنے ہوسکتی ہے جس کے بارے میں یقین ہو کہ وہ خلافِ شریعت چلتا بھی نہیں چلاتا بھی نہیں، اب یہ خود سپردگی کی باتیں لوگوں کو سمجھ میں نہیں آتیں، یاد رکھو! اگر اہل اللہ کے پاس جا کر طالب علمی کرو گے تو فیل ہو جاؤ گے، اس لیے کہ وہاں طالب علمی نہیں چلے گی، وہاں پر تو غایتِ اعتقاد و انقیاد کے ساتھ فرماں برداری کرنی ہوگی، وہاں سوال وجواب نہیں ہوتا چون و چرا نہیں ہوتی۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا: کہ ”طالب علمے کہ چون و چرا نہ کند و مریدے کہ چون و چرا کند ہر دو را بصحرا البفرستاد“ یعنی جس طالب علم کو پڑھنے کے دوران کوئی اشکال ہی نہیں پیدا ہوتا، کبھی کچھ نہیں پوچھتا اس کو اور اس مرید کو جو پیر کے سامنے اشکال کرتا ہو اِن دونوں کو صحرا میں بھیج دو، نہ یہ مرید بننے کے قابل ہے نہ وہ شاگرد بننے کے۔

صدیوں پہلے حضرت سعدیؒ نے یہ بات فرمائی، اور حقیقت یہی ہے۔اس لئے آپ لوگ بھی اپنی مناسبت سے کسی اللہ والے کا انتخاب کرو، اور کچھ دن قیام اُن کے پاس قیام کر کے صفاتِ حمیدہ سے اتصاف اور صفاتِ رذیلہ سے اجتناب کی مشق کرلو، پھر یہ سلسلہ رابطۂ شیخ کا ہمیشہ قائم رکھو۔

وراثتِ نبوت کی لاج رکھو

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم ہمارے سینے میں ہے، ہماری طرف عالمِ دین، وارثِ نبی ہونے کی نسبت ہے؛ یہ نسبت کوئی معمولی نسبت نہیں ہے، آپ کو اس نسبت کی لاج رکھنی ہے۔لوگ دیکھیں گے کہ یہ حافظ صاحب کیسے ہیں؟ یہ مولانا صاحب کیسے ہیں؟ خاص طور سے معاشرت آپ کی بہت اچھی ہونی چاہیے، گفتگو سلیقہ مندانہ ہونی چاہیے، آپ کا رہن سہن آپ کی حاجتوں کے اوپر پردہ ڈال دے، بے شک اس دور میں بھی خدامِ دین کی معاشی حالت بہت کم زور ہے اگر چہ کہ پہلے سے بہت اچھی ہے؛ پھر بھی وہ جز معاش ہی ہیں، اپنی تنگیوں اور تکلیفوں کو اپنے رہن سہن کی سادگی وصفائی کے ذریعے سے چھپاؤ تاکہ کسی کو نہ پتہ چلے کہ یہ بندہ محتاج ہے، ہاں آپ کا دل آپ کے رب کے سامنے رو رہا ہو، اپنی حاجات کو اپنے اللہ ہی سے مانگنا عالم کی شان اور عفت کا نشان ہے۔

رجوع الی اللہ سارے مسائل کا واحد حل ہے

ایک اللہ کی طرف رجوع رہو، انشاءاللہ سب مسئلے حل ہوں گے، جب اللہ کے دین کی خدمت کریں گے تو کیا اللہ تعالیٰ ہمیں بھوکا چھوڑ دے گا، ہرگز نہیں ! بہت سارے لوگ جو ماشاءاللہ اچھا کمانے والے، بڑے کاروبار کرنے والے ہیں کبھی سفر میں ساتھ چلتے ہیں تو کھا کھا کے بیزار ہو جاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ کیا ہے؟ جہاں جاؤ کھانا، دس منٹ کے لیے رُکو تو دستر خوان بچھا ہوا ہے، اللہ اکبر ! پریشان ہو جاتے ہیں کہ یہ کتنا کھانا آپ لوگوں کے مقدر میں ہے، ہم کہتے ہیں کہ ہم بھی اتنا کھانا کھا نہیں سکتے ؛ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے وعدے دکھا رہا ہے۔وَجَدۡنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقاً۔

اویس زمانہ حضرت باندوی رحمہ اللہ کا استغناء

حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی رحمتہ اللہ علیہ بہت سیدھے سادے ؛ مگر بہت صاف ستھرے رہتے تھے، سادگی غالب تھی، کہیں بھی جاتے، بڑے بڑے کروڑ پتی کے پاس بھی اپنے وقار کو مجروح ہونے نہیں دیتے، ایک بڑے رئیس کی دعوت پر ان کے گھر میں گئے جہاں قیمتی قالین بچھی تھی، حضرت نے وہاں

جوتیاں اُتار دیں، میزبان نے کہا کہ: حضرت پہن کے آئیے، ہم لوگ اس پر چپل ہی سے جاتے ہیں، کہا: تم لوگ جاؤ، اللہ کی قیمتی نعمت ہے، میں تو اس پر چپل پہن کے نہیں چل سکتا، چپل چھوڑ کے اندر گئے۔ (احساس کوئی چیز ہے نا، جب احساس ہی نہ ہو تو مغرب کی نقل کرتے کرتے مسلمان بھی بے ایمانوں کے راستے پہ چل پڑتے ہیں، احساس بہت بڑی نعمت ہے) صاحبِ خانہ نے حضرت کو ایک لاکھ روپے پیش کیے، (کوئی 25 سال پہلے کی بات ہے) تو حضرت نے کہا: مجھے اس کی ضرورت نہیں، اللہ ضرورتیں پوری کر دیتا ہے، انہوں نے کہا کہ: حضرت میرا کاروبار حلال ہے، میں شریعت کے مطابق کاروبار کرتا ہوں، میرا ہدیہ قبول فرمائیں تو حضرت نے فرمایا کہ بھائی مجھے ضرورت نہیں، پھر اُن کے اصرار کرنے پر ان کی دِل داری کے واسطے اس میں سے 100 روپئے کا ایک نوٹ نکال لیا، انہوں نے کہا کہ مدرسے کے لیے لے لیجیے، تو کہا مدرسہ کا ایڈریس کسی سے معلوم کرلو، بھجوادو۔ یہ اُس وقت بہت بڑی رقم تھی لیکن اس کی ان کے نظروں میں کوئی اہمیت نہیں تھی، جہاں گئے اللہ کی امانت پہنچانے کے لیے گئے، اللہ کے بندوں سے اللہ کے بندے ہونے کی وجہ سے ملاقات کی، مال دار ہونے کی وجہ سے نہیں کی۔ ہمارے یہ اکابر درحقیقت اس حدیث کے مصداق ہیں جو آپ نے بخاری شریف میں پڑھی ہے، ''وہ دو بندے جو اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں، اللہ کے لیے ملتے ہیں، اللہ کے لئے الگ ہوتے ہیں، تو وہ عرشِ الٰہی کے سایے میں ہوں گے'' اُن کی نظر میں اللہ ہوتا ہے، اللہ کے علاوہ کوئی نہیں، اس کی طرف آپ لوگ توجہ دیں۔ ایک اور اہم بات آپ لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں، الحمدللہ! اب ہمارے مدارس کے فضلاء زیادہ شکوہ تو نہیں کرتے لیکن بعض جونیئر علماء جن کی تربیت نہیں ہوئی ہے وہ آج کل سوشل میڈیا پر ایسی باتیں چلاتے رہتے ہیں، خدامِ دین کی بدحالی کا رونا روتے رہتے ہیں، ایسے لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ بھی متوجہ نہیں ہوتا مخلوق بھی متأثر نہیں ہوتی، آپ اللہ سے بولو جو بولنا ہے، غیب کے خزانے کھول دے گا، اللہ سے لینا سیکھو، مخلوق سے کیا ہمارا لینا دینا ہے؟ اس قسم کی اوچھی حرکتوں سے علماء کی آبرو تو نقد چلی جاتی ہے قوم کی آنکھیں پھر بھی نہیں کھلتیں، کیا فائدہ ایسی حرکتوں سے؟ اَلقِدر مرتفع وَ القَدرُ مخفوضؐ کے مصداق ہوجاتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ کے استغناء کا نصیحت آموز واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حیدرآباد تشریف لائے، اُس وقت میر عثمان علی خان کا دورِ سلطنت تھا، بادشاہ کے ایک خاص درباری رئیس آدمی نے حضرت کو ایک خط بھیجا کہ میری بڑی تمنا ہے کہ آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کروں، اگر آپ مجھے قدم بوسی کی اجازت دیں تو حاضر ہو جاؤں، لیکن چوں کہ بادشاہ کا مصاحب ہوں، اس لیے میرے فارغ اوقات یہ ہیں باقی وقت مشغول رہتا ہوں۔ تو حضرت

نے جواب لکھ کے بھیج دیا کہ ملنے کی تمنا آپ کو ہے اور مجھے اپنے اوقات کا پابند بناتے ہیں، یہ کون سی تہذیب ہے؟ (یہ لکھ کر بھیج دیا کوئی پرواہ نہیں کی کہ اتنے بڑے بادشاہ کے مصاحب ہیں، ہم ہوتے تو وارے نیارے ہوجاتے فوراً شوق سے بُلا لیتے کہ جب چاہے آجائیں، مگر ہمارے اکابر کی شان ہی جُدا تھی وہ کسی سے دنیا کے لئے نہیں ملتے تھے) انہوں نے دوسرا خط لکھا، اس میں یہ لکھا کہ مجھے آپ سے ملنے کی بہت تمنا ہے آپ ہی کوئی وقت مقرر فرما دیں میں اسی وقت حاضر ہوجاؤں گا، اس کے جواب میں حضرت نے ان کو یہ لکھا کہ ملنا آپ چاہتے ہیں وقت مقرر کرنے کا بوجھ میرے اوپر ڈالتے ہیں، یہ کون سی عقیدت مندی کی بات ہے؟ انہوں نے تیسرا خط لکھا کہ حضرت ایک بے تہذیب آدمی ہوں، آپ سے ملنا چاہتا ہوں، طریقہ بھی نہیں جانتا، میں گزارش کرتا ہوں کہ آپ ہی کوئی صحیح طریقہ بتادیجیے، تو حضرت نے ان کو اس کے جواب میں لکھا کہ کسی دن آپ چھٹی لے کر یہاں میری قیام گاہ میں آکے بیٹھے رہیے، جب مجھے فارغ پائے تو ملاقات کر لیجیے۔ اس کے جواب میں انہوں نے لکھا کہ بالکل ٹھیک! میں چھٹی لے لوں گا، اور وہیں آکر پڑا رہوں گا، جب موقع ہوگا ملاقات کرلوں گا۔ اس چوتھے خط کے جواب میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو یہ لکھا کہ ماشاءاللہ آپ کی تہذیب سے بہت جی خوش ہوا، اب میرا دل یہ چاہتا ہے کہ میں خود آکر آپ سے ملاقات کروں۔ تو دیکھو اس کا مقصد تنبیہ وتربیت تھا کوئی نخوت وغرور نہیں دکھا رہے تھے، غرور توڑ کے پھر اپنے بازو بچھا دیئے۔ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ یہ امام الانبیاء سے کہا گیا ہے، علماء کیا ہیں وہ تو اُن کے ادنیٰ خادم ہیں، خیر! وہ آئے ملاقات ہوئی، طرفین نے ایک دوسرے کا اکرام کیا، اس ملاقات میں اُن نواب صاحب نے حضرت سے کہا کہ میں بادشاہ کا دوست ہوں، میں چاہتا ہوں کہ آپ کے قدم ہمارے دربارِ شاہی میں پڑ جائیں، حضرت نے پوچھا کہ یہ بادشاہ کی خواہش ہے یا آپ کی؟ انہوں نے کہا: میری، تو حضرت نے فرمایا: مناسب نہیں ہے، اس لیے کہ بادشاہ کے طلب کے بغیر میں جاؤں گا تو جو دولت ان کے پاس ہے جس کی مجھے ضرورت نہیں وہ مجھے کچھ مل جائے گی، اور جو دولت میرے پاس ہے جس کی ان کو سراسر حاجت ہے وہ طلب نہ ہونے کی وجہ سے انہیں نہیں مل سکے گی، اس عبث فعل کا فائدہ کیا ہے؟ اس لیے مناسب نہیں ہے، حضرت نہیں گئے، ہم معمولی قسم کے افسروں سے ملنے کا موقع مل جائے تو وراثتِ نبوت کی لاج پامال کر کے بھی پہنچنے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں، یہ حضرات تھے جن کو اپنا مقام معلوم تھا کہ اللہ نے ہمیں کیا مقام دیا ہے، آپ لوگ بھی اپنے مقام کی عزت رکھو اور اپنے بڑوں سے سیکھو۔ یاد رکھو تکبّر اور چیز ہے خودداری اور صفت، پہلی مذموم ہے دوسری مطلوب ہے۔

عالم کو دین کامل کا داعی ہونا چاہیئے

دوسری بات آپ لوگوں سے کہنے کی یہ ہے کہ آپ نے 10 / 12 سال مدرسے میں لگا کر جو قرآن کریم کا حفظ کیا، دین کا علم حاصل کیا ہے، اتنا وقت لگا کر اور والدین کا یا قوم کا پیسہ کھا کر جو کچھ علم آپ نے حاصل کیا ہے یہ علمِ کامل ہے، اس لئے آپ کو علمِ کامل اور دینِ کامل کا داعی بننا چاہیے، اس زمانے میں جہاں دیکھو لوگوں نے اپنی اپنی عقلوں سے ایک تصورِ اسلام بنایا ہوا ہے، وہ اپنے اپنے محدود تصورِ دین کو کامل دین کہتے ہیں؛ حالاں کہ اس کو کامل دین نہیں کہہ سکتے، ہاں دین کا ایک حصہ کہہ سکتے ہیں، دین کا کوئی جز کہہ سکتے ہیں، لیکن غلط فہمی یہ پیدا ہو گئی ہے کہ جو دین کی جس لائن میں لگا ہوا ہے اسی کو کامل دین سمجھنے لگا ہے، اور بدقسمتی سے آپ علماء بھی اپنے اپنے علاقوں میں جانے کے بعد دین کے کسی جزوی کام میں شامل ہو کر یہ سمجھتے ہیں کہ یہی دینِ کامل کی دعوت ہے، اگر آپ جزئیات کی دعوت کو دینِ کامل کی دعوت سمجھتے ہوں تو آپ علم کی امانت میں خیانت کے مجرم ہو، اس لیے آپ کو پورے دین کا داعی ہونا چاہیے، میں کہتا ہوں کہ آپ نے بخاری شریف تو سال بھر پڑھی ہے؛ لیکن جب وقت ملے تو ایک مرتبہ بخاری شریف کی جو فہرستِ ابواب ہے، اس کو گہرائی کے ساتھ پڑھ لو، وہ ساری باتیں جو سال بھر میں پڑھی ہیں اس سے زیادہ آپ کو نفع ہوگا، اس فہرستِ ابواب کو دیکھ کر اس سے وسعتِ دین کا تصور کرو، کہ دینی تعلیمات اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات کہاں کہاں تک متعدی ہیں، غور کرو کہاں کہاں تک نبی کی دعوت پہنچانا ہے، ساڑھے تین ہزار عنوانات پر انہوں نے کتاب لکھی ہے، ہم لوگ دین کا کام جن عنوانات پہ کرتے ہیں وہ ان میں سے 300 بھی نہیں ہیں، اس پورے ذخیرہ دین اور تعلیماتِ نبوی کو ملت کے سامنے لانا آپ کی ذمہ داری ہے، تمام تر تعلیمات؛ عقیدے کے اعتبار سے، عبادت کے اعتبار سے، معاشرت کے اعتبار سے، معاملات کے اعتبار سے، اخلاق کے اعتبار سے ہر اعتبار سے تعلیمات موجود ہیں، آپ مسلمانوں کے سماج میں دین کے سارے عنوانات کو زندہ کیجئے؛ کیوں کہ مسلمان سب کے سب محتاج ہیں پیاسے ہیں، سمجھانے بتلانے سے اُنہیں فائدہ ہوتا ہے۔ کس علاقے میں کس چیز کی ضرورت ہے، کس علاقے میں کس بات پر محنت کرنے کی ضرورت ہے، معلوم کر کے محسوس کر کے اس پر خاص توجہ دیں۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب میں کانپور میں پڑھاتا تھا، وہاں کے لوگوں میں مجھے نماز سے غفلت نظر آئی، تو میں ایک مہینے تک روزانہ نماز کے عنوان پہ بیان کیا، اس کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ تانگے والا، رکشہ والا، گڑھا کھودنے والا، مزدوری کرنے والا سب ایک دوسرے سے بات کرتے تو کہتے تھے آپ کو شرائطِ نماز معلوم؟ آپ کو فرائضِ نماز معلوم؟ ایک مہینے میں یہ ماحول بن گیا، ہم لوگ کیا کر رہے ہیں؟ بس لگے بندھے چند کام کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں، ہمیں

ضرورت کے کام کو ترجیح دینا چاہیئے۔حضرت بھی اس زمانے میں نوجوان اور نو فارغ تھے مگر مدرسے سے ہی ایسا جذبہ اور ذمہ داری کا احساس لے کر نکلے تھے، چاہتے تھے کہ پوری امت پورے دین پر آجائے، خلوص وہم دردی سے اپنا کام کرتے رہے، پھر دیکھ لو کہ آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے ان سے کتنا کام لیا، خود کتنے بڑے مقام پر پہنچے اور ہزاروں بندگانِ خدا کو مثالی تربیت فرما گئے۔

مکاتب دینیہ کا قیام مسلم نونہالوں کے تحفظ کا واحد وسیلہ ہے

تیسری بات یہ ہے کہ جہاں جا رہے ہو، وہاں مکتب قائم کرو، جو بھی کام ملے مدرسے میں پڑھانا ہے پڑھاؤ، امامت کا موقع ملے امامت کرو، خطابت کرنا ہے تو کرو لیکن مکتب ضرور قائم کرو، مکاتب کے سِوا اس دور میں ملتِ اسلامیہ کے تحفظ و بقاء کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے، ہمارے ہاں سے فارغ ہونے والے 26 طلبا میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ ہو جو جانے کے 15 دن کے اندر مکتب قائم نہ کرے، آپ کو مکتب قائم کرنے کے لیے نہ بورڈ کی ضرورت ہے، نہ بلڈنگ کی، نہ کسی مسجد میں اجازت کی ضرورت ہے، اپنے ہی گھر کے دیوان خانے میں اپنی گلی کے بچوں کو جوڑ کے کام شروع کر دو۔

جس جگہ بیٹھ کے پی لوں وہی مئے خانہ ہے

اس لیے یہاں سے جانے کے بعد اگر اگلی تعلیم کا کوئی پروگرام ہے تو ٹھیک ہے، اور اگر نہیں تو فوری کام شروع کرو، اور آپ میں سے بعض طالب علم ہمارے علم کے مطابق چوں کہ ایجوکیٹیڈ بھی ہیں اُن کا اگر آگے پی جی کا ارادہ ہے تو کرو مگر مکتب ضرور چلاؤ۔

اپنے اہلِ خانہ و خاندان کے دین وایمان کی فکر بھی آپ کی ذمہ داری ہے

چوتھی بات یہ ہے کہ اپنے گھر والوں کو دین سکھاؤ، آپ نے بخاری میں حدیث پڑھی، مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کہ وہ چند ساتھیوں کے ساتھ آئے تھے، اور 20 دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے ان کو واپس بھیجنا مناسب سمجھتے ہوئے گھر جانے کی اجازت دے دی، جاتے وقت اُن سے فرمایا: ''جو کچھ سیکھا ہے وہ اپنے گھر والوں کو سکھاؤ''۔حضرت مفتی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر دین سیکھنے والے پر اپنے گھر والوں کو سکھانا بھی ضروری ہے، چھٹیوں میں کیا کرتے ہو، آپ قاری صاحب ہیں، بڑے بڑے جلسوں میں پڑھتے ہو سامعین کو محظوظ کرتے ہو لیکن آپ کا فیض آپ کی ماں کو نہیں پہنچا، آپ کے باپ کو نہیں پہنچا، بہنوں بھائیوں کو نہیں پہنچا، ایسا کیوں؟۔ اس لیے طئے کر لو کہ اپنے گھر میں دین آنا چاہیے، آج لوگ کہتے ہیں مولانا صاحب ہمارے گھر والوں کو تربیت کی

ضرورت ہے، آپ کے گھر کی مستورات سے ہماری مستورات کو فائدہ ہو، اس کی صورت نکالیں، علماء کا گھرانہ ہی اگر دین دار نہ بنے تو ایسے بے دین گھرانوں والا سماج میں جا کر کیا دین سکھائے گا؟ آج افسوس کی بات ہے کہ علماء کے گھرانوں میں بھی دین نہیں ہے، الا ماشاء اللہ، اور بہت سے ایسے گھرانے ہیں جہاں پر ہماری بچیوں کا لباس غیر شرعی اور غیر اسلامی ہے، اپنی بچیوں کا لباس باحیا اور اسلامی ہونا چاہیے، اگر آپ اس کو نظر انداز کریں اور توجہ نہ دیں تو پھر اپنی بیٹی کو بے حیا دیکھنے کے لئے تیار رہنا ہوگا، اس سے بھی بڑھ کر کسی انجانے کے ساتھ بھاگ جانے پر بھی راضی رہنا ہوگا، بہر حال آپ کے اپنے گھر میں بھی دین آنا چاہیے، بڑوں کے ساتھ حکمت و مصلحت اور محبت سے چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے اپنے اپنے گھر میں دین لانے کی فکر کرو، ورنہ آپ کے عالم بننے کا سارے جہاں کو فائدہ ہوگا مگر خاندان کو کوئی فائدہ نہ ہوگا

"سارے جہاں کا جائزہ
اپنے جہاں سے بے خبر"

والا معاملہ ہوجائے گا۔

داخلی وخارجی فتنوں پر نظر رکھنا اور ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا

پانچویں بات جو آپ کو دورانِ تعلیم بھی بتائی جاتی رہی، وہ یہ ہے کہ یہاں سے آپ جس علاقے میں بھی جائیں، وہاں فتنوں کا مقابلہ کرنا ہے، یہ دور دورِ فتن ہے، چوطرف سے فتنے ہیں، زمینی فتنے الگ مسلمانوں پہ حملہ زن ہیں، آسمانی فتنے (یعنی انٹرنیٹ کے فتنے) الگ مسلم سماج پر خیمہ زن ہیں، آسمان مصیبتیں گرا رہا ہے، اور زمین مصیبتیں ابال رہی ہے، جیسے طوفانِ نوح کے وقت ہو گیا تھا، اوپر سے بھی بارش، نیچے سے بھی پانی، سب طرف سے پانی پانی، یہاں تک کہ لوگ غرقاب ہو گئے، ایسا ہی اس وقت فکری الحاد کا ایک طوفان آیا ہوا ہے، اوپر سے بھی فتنے، نیچے سے بھی فتنے، دائیں بائیں سے فتنے، آگے پیچھے سے فتنے، ان فتنوں میں یہ امت گھر گئی ہے، اس امت کے دین وایمان کی حفاظت آپ کی ذمہ داری ہے، یہ بہت برا وقت ملتِ اسلامیہ امتِ محمدیہ پر آیا ہوا ہے، یہاں سے جا کر ایک اچھا سا اسمارٹ فون خرید کے سوشل میڈیا میں اپنی زندگی کو داؤ پر لگانے کے بجائے ایک ایک فرد سے دوستی کرو، اپنے ہم عمر بچوں سے بات چیت کرو، ان کے عقیدوں کے بگاڑ کا اندازہ کرو، ملت کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دینے کے لئے ان پر مخلصانہ محنت کرنا آپ کا کام ہی نہیں آپ کی ذمہ داری ہے، جتنے باطل فرقے کام کر رہے ہیں؛ اُن میں سے کوئی نہ جلسہ کرتا ہے، نہ اخبار میں اشتہار دیتا ہے، نہ سوشل میڈیا پر آتا ہے، یہ لوگ انڈر گراؤنڈ کام کرتے ہیں، ایک ایک بندے سے بات کرنا، دوستی کرنا، چائے پلانا، قریب

کرنا، مانوس کرنا، اور پھر اپنا عقیدہ ٹھونس دینا، اس طرح ان کا کام چل رہا ہے، اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم کو ہر کام کے لیے ایک بڑا اسٹیج چاہیے، ایک شاندار کرسی چاہیے، اور ویڈیو کا ایک سلسلہ چاہیئے اس طرح تو ان کا مقابلہ نہیں ہو سکے گا، وہ افراد پر محنت کر رہے ہیں، آپ بھی افراد پر محنت کرو۔

فتنے دو طرح کے ہیں

اس وقت فتنے دو طرح کے ہیں، ایک تو ارتدادی والحادی فتنے ہیں جو ہماری قوم کے مردوں عورتوں کو خارجِ اسلام کر رہے ہیں، ان فتنوں کی بھی فکر کرنا ہے، اور دوسرے داخلی فتنے ہیں یہ لوگ ہیں تو مسلمان لیکن اہل سنت والجماعت کے نظریات سے ہٹے ہوئے ہیں، ان کی بھی بہت تحریکیں چل رہی ہیں، اور زوروں پر کام چل رہا ہے ہمارے لوگ دھیرے دھیرے بڑی تعداد میں ہر ہٹے ہوئے کٹے ہوئے کے ساتھ جڑتے چلے جا رہے ہیں، آپ پر ایک عالمِ دین ہونے کی حیثیت سے یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اہل السنت والجماعت کے عقائد کو خود اچھی طرح سمجھو، اور اس کسوٹی پر اپنی قوم کو سیدھا کرتے رہو؛ اور جو بدعقیدگیاں اور گمراہیاں جنم لے چکی ہیں اس کے خاتمہ کی فکر کرو۔

بہ ہر حال آپ اپنی بستی کے خارجی اور داخلی دونوں فتنوں پر نظر رکھیں، حکمتِ عملی سے اور اپنے بڑوں کے مشورے سے کام کریں، اس طرح کہ بستی میں کوئی فتنہ باقی نہ رہے، حق کے ہوتے ہوئے فتنہ کے باقی رہنے اور پنپنے کی گنجائش کیسے ہو سکتی ہے؟

چھٹی بات یہ بتانا ہے کہ آپ عالمِ دین ہیں، آپ بے سند باتیں نہیں کرو، سنی سنائی باتیں تقریر میں کبھی نہیں کہو، مطالعہ کرو، تحقیق کی عادت ڈالو، جو بات سنو اس کو پہلے پرکھ لو کہ یہ بات ثابت بھی ہے یا نہیں، بہ ہر حال تحقیق سے پہلے نہ بولو، یاد رکھو صرف ممبر کو گرمانا، اور اسٹیج پر دھواں دار تقریر کر دینا، واہ واہ سن لینا، یہ آپ کا کام نہیں ہے یہ تو شاعروں کا کام ہے۔

ہو گئی واہ واہ اور کیا چاہیئے
شاعر خوش نوا اور کیا چاہیے

واہ واہ کے لیے کچھ نہیں کرو، اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ اللہ کی امانت اللہ کے بندوں تک ٹھیک پہنچا رہے ہیں کہ نہیں، قصے کہانیاں قرآن و حدیث کی سناؤ، اسی میں بہت تاثیر ہے، غیر معتبر من گھڑت حدیثیں مت سناؤ، معتبر قصص میں بہت تاثیر ہے۔لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى۔

اساتذہ سے رابطے میں رہو

ساتویں ہدایت یہ ہے کہ اپنے اساتذہ سے رابطہ میں رہو، یہ ایک نور کی کڑی ہے، عہدِ رسالت سے اب تک یہ سلسلہ قائم ہے کہ علم عملی شکل میں بھی منتقل ہورہا ہے، آپ کے اساتذہ اسی تسلسل کا حصہ ہیں، ان کو کبھی فراموش مت کرو، رابطے میں رہو، سلام کلام کرو، مسائل میں اطمینان نہ ہوتو تحقیق کرلیا کرو، کبھی کبھی ان کی خدمت میں اپنی حیثیت کے مطابق ہدیہ پیش کیا کرو، طلباء مدرسے سے نکل کے اساتذہ کو فراموش کردیتے ہیں بالخصوص ابتدائی اساتذہ کو، نورانی قاعدہ پڑھانے والے سے لے کے بخاری پڑھانے والے تک سارے اساتذہ آپ کے محسن ہیں، ان کو فراموش نہیں کرو، نہ دعا کے اعتبار سے نہ لقاء وتعلق کے اعتبار سے۔

اپنے سر پر کسی مرشد کا سایہ رکھو

آخری بات یہ ہے کہ اب تک تو آپ مدرسے میں تھے، یہاں آپ کے اساتذہ اور نگران تھے جو ہر چھوٹی بڑی بات پر گرفت وتنبیہ کرتے رہتے تھے، گھر جاکر آپ آزاد ہوجائیں گے، اس لئے اب آپ کے سر پہ کسی مرشد کا سایہ ہونا چاہیئے، ہمارے حضرت محی السنہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر پیر ومرشد کے نام سے آپ لوگوں کو شرم آتی ہے تو کوئی بات نہیں، مرشد کے بہ جائے لیگل ایڈوائزر نام رکھ لو، کوئی پوچھے تو یہ کہہ دو کہ یہ ہمارے لیگل ایڈوائزر ہیں، لیگل ایڈوائزر سب کے ہوتے ہیں، لیکن آپ کی مراد یہ ہو کہ یہ ہمارے آخرت کے قانون میں ہمیں جکڑ کے رکھنے والے، اور ہمیشہ شریعت کا پابند بنائے رکھنے والے ہیں، سب کو اس کی ضرورت ہے، ہم نے جتنا کچھ جانا وہ یہی ہے کہ ہر زمانہ میں اہلِ علم نے اس کی طرف توجہ کی ہے؛ حتیٰ کہ وہ علماء جن پر تہمت ہے کہ وہ طریقت اور تصوف کے مخالف ہیں امام ابن تیمیہ، امام ابن جوزی، امام ابن کثیر اور امام ابن قیم رحمہم اللہ وغیرہ اُن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ صوفیا کے مخالف ہیں، ایسا ہرگز نہیں، اِن لوگوں کی بعض علمی تحقیقات سے تو اختلاف کیا جاسکتا ہے مگر ان لوگوں کی روحانیت وللّٰہیت میں شبہ نہیں کیا جاسکتا، وہ نہ صرف سلوک واحسان کی ضرورت کے قائل ہیں بل کہ صوفیاء کاملین کا اعتراف اور ان سے استفادہ کرتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں، اور کیوں نہ کرتے یہ دین کا ایک پہلو اور سکہِّ دین کا دوسرا رُخ ہے، جاہلوں اور غالیوں کی وجہ سے آدھے دین کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ آپ مجموع الفتاوی جلد نمبر گیارہ (جس میں تصوف کے عنوان پر ابنِ تیمیہؒ کے مقالات وفتاویٰ ہیں) پڑھ کے دیکھیے، تو آپ کو ایسا لگے گا کہ دنیا کے سب سے بڑے صوفی تو یہی ہیں، ایک جگہ تو یہاں تک لکھ دیا ہے؛ صوفیائے کرام اس زمین پر خدا کے بندوں کی وہ جماعت ہے جن کو اللہ نے اپنے خاص علم

کے ساتھ آراستہ کر دیا ہے۔ بہ ہر حال ہمارا کوئی رہنما ہونا چاہیے، آزادمت رہو، تباہ ہو جاؤ گے، جتنے لوگ اس دنیا میں باطل تحریکوں کے داعی ہمیں نظر آرہے ہیں، پوری تاریخ گواہ ہے کہ وہ تھے تو بہت قابل لیکن ان کی قابلیت کو کنٹرول کرنے والا کوئی نہیں تھا، ہمارے سے 10 گنا نہیں سو گنا لائق وفاضل مگر اس قابلیت کو کنٹرول کرنے والا کوئی نہیں تھا، خود ہی فیصلہ کر لیتے تھے، حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایسی غلطی پر جسے جماعتِ اول کا طالب علم بھی غلطی بولے گا ایک بڑی علمی شخصیت کو توجہ دلائی کہ یہ تعبیر مناسب نہیں ہے، سیدنا یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں انہوں نے لکھا تھا کہ ''بے صبرا ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر چھوڑ دیا'' تو حضرت مفتی صاحب نے توجہ دلائی کہ یہ تعبیر مناسب نہیں ہے، میں سمجھتا ہوں آپ بھی یہ کہنا نہیں چاہ رہے ہوں گے؛ لیکن عبارت سے بے ادبی کا شبہ ہو رہا ہے، تو میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس عبارت کو بدل دیجیے، یہ بھی لکھا کہ 70 برس کی عمر میں پہنچ چکا ہوں، نہ شہرت کا شوق ہے، نہ کوئی تنقید مقصود ہے، صرف اللہ کے لیے بتا رہا ہوں، ایسے مخلصانہ خط کا جواب موصوف نے حضرت کو اپنے لیٹر پیڈ پر اپنے قلم سے یہ دیا کہ ''میں جو کچھ لکھتا ہوں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر، جواب دہی کے احساس کے ساتھ لکھتا ہوں، آپ خواہ مخواہ سیدنا یونس علیہ السلام کے وکیلِ استغاثہ بن رہے ہیں۔'' یہ جواب دیا ایک بڑے عالم دین کو جو اپنے وقت کے مفتی اعظم تھے، ایسا کیوں؟ اس لئے کہ سر پہ سایہ نہیں تھا، ایک بڑے عالم کو غصے کے عالم میں ایک میٹنگ کے دوران ایسی ایسی باتیں کہتے سنا گیا جو ان سے کوئی سوچ نہیں سکتا تھا، حدیث پڑھانے والے تھے، ایک اللہ والے بزرگ وہاں موجود تھے وہ بھی سہم گئے، ڈر گئے، اس مجلس کے اختتام پر جب وہ چلے گئے تو ان بزرگ نے یہی فرمایا: ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان کے سر پہ کسی مرشد کا سایہ نہیں۔

بہر حال بچو! بڑی بات ہے، اپنے کو آزاد مت رکھو، موجودہ زمانے میں افکار کا تصادم اور ٹکراؤ ہے، اس وقت جنگ تیر و تفنگ سے نہیں لڑی جا رہی ہے، افکار و خیالات کی لڑی جا رہی ہے، عقائد اور مزعومات کی لڑی جا رہی ہے، اپنے آپ کو اس دلدل سے بچاتے ہوئے مقابلہ کرو، اس کے لیے ایک تو علمی صلاحیت چاہیے، دوسرے روحانی قوت؛ جس کو حضرت مولانا اسرار الحق قاسمیؒ نے فرمایا کہ: ہمارے بڑے فرماتے تھے کہ: عالم کو بیدار مغزی اور روشن ضمیری دو چیزوں کی سخت ضرورت ہوتی ہے، اس کے بہ غیر کام چلنا مشکل ہے۔

میں نے تمام اساتذہ کی طرف سے آپ کے سامنے یہ ضروری باتیں بتا دی ہیں، اللہ پاک ہم سب کو توفیقِ عمل نصیب فرمائے۔ آمین

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

(حضرت سلمیٰ بنت عمیس رضی اللہ عنہا اہلیہ محترمہ حضرت حمزہؓ)

از: مولانا مفتی رفیع حنیف قاسمی*

نام ونسب: عمِّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ ہیں، قبیلہ بنوخثعم سے تعلق رکھتی ہیں، ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: سلمی بنت عُمیس بن معد بن حارث بن تیم بن کعب بن مالک بن قحافہ بن عامر بن ربیعہ بن عامر بن معاویہ بن زید بن مالک بن بشر بن وہب اللہ بن شہران بن عفرس بن خلف اقبل (خثعم)۔

والدہ کا نام ہند (خولہ) بنت عوف تھا، وہ قبیلہ کندہ سے تعلق رکھتی تھیں۔

حضرت سلمیٰؓ جلیل القدر صحابیہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ (جن کا نکاح یکے بعد دیگرے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ سے ہوا) حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن تھیں، جب کہ ام المؤمنین حضرت میمونہ بنت حارث اور حضرت ام فضل (اہلیہ حضرت عباس عم رسول) ان کی اخیافی (ماں شریک) بہنیں تھیں۔

قبول اسلام اور نکاح: حضرت سلمیٰ بنت عُمیسؓ سابقین اولین اسلام قبول کرنے والوں میں شمار ہوتی ہیں، ان کے قبول اسلام کا عجیب وغریب واقعہ ہے، جب اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی آواز لگائی، آپ کی صدا پر حضرت ابوبکر، حضرت علی اور دیگر سابقین اولین صحابہ رضی اللہ عنہم دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے تو اس وقت حضرت جعفر بن ابی طالبؓ، اور ان کی زوجہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے، حضرت اسماءؓ کے قبول اسلام پر ان کی تمام بہنیں بھی جن میں حضرت سلمیٰ بنت عمیسؓ بھی شامل تھیں، مسلمان ہوگئیں، جب کہ حضرت حمزہؓ نے قبول اسلام نہیں کیا تھا۔

انہی بہنوں کے حوالے سے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا: ''الأخوات المؤمنات، ميمونة زوج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، وأم الفضل امرأة العباس، وأسماء بنت عميس امرأة جعفر، وأمرأة حمزة، هی

* استاذ فقہ وادب: ادارہ کہف الایمان ٹرسٹ، بورہ بنڈہ، حیدرآباد

أختهن لأمهن ''(المعجم الکبیر، اسماء بنت عمیس: ۲۴/۱۳۱، حدیث: ۳۶۰، الإصابۃ فی تمیز الصحابہ: ام الفضل: ۸/۴۵۰، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔مسلمان بہنیں، جن میں اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت میمونہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت ام الفضل، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت سلمٰی بنت عمیس ؓ، یہ اخیافی (ماں شریک) بہنیں تھیں۔(یعنی ان تمام بہنوں کو اللہ عزوجل نے قبول اسلام کی توفیق مرحمت فرمائی تھی)۔

دوسرا نکاح و اولاد

حضرت سلمٰی بنت عمیس ؓ کو حضرت حمزہ ؓ کی صلب سے ایک لڑکی امامہ تولد ہوئیں، جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا نہایت غم آ گیں واقعہ پیش آیا، حضرت سلمٰی بنت عمیس ؓ نے اس پر نہایت صبر و شکیمت کا مظاہرہ کیا، اللہ عزوجل نے ان کے صبر و استقامت کی بنیاد پر ایک صحابیٔ رسول حضرت شداد بن اسامہ الہادی ؓ سے نکاح کرادیا، (جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شروع سے آخر تک تمام غزوات میں شریک رہے،) اُن سے حضرت سلمٰی ؓ کو دو بیٹے عبداللہ اور عبدالرحمن پیدا ہوئے۔یہ دونوں فرزندان بھی بڑے عالم و فاضل ہوئے، یہ عبد اللہ بن شداد ؓ اپنے والد حضرت شداد ؓ سے ایک مشہور روایت نقل کرتے ہیں: ایک دفعہ عشاء، ظہر یا عصر کی نماز کے لئے مسجد آئے، دیکھا کہ حضرت حسن ؓ یا حضرت حسین ؓ دونوں نواسوں میں سے کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھ اٹھائے ہوئے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لئے آگے بڑھے، بچے کو داہنے جانب بٹھایا، پھر تکبیر کہی اور نماز شروع کی، دورانِ نماز ایک سجدہ نہایت طویل کیا'' **فسجد بين ظهرانی صلاته سجدة فأطالها**'' میں نے اپنا سر اٹھایا، تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ کی حالت میں ہیں، بچہ آپ کی پشت پر سوار ہے، میں سجدہ میں لوٹ گیا، نماز سے فراغت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے نہایت طویل سجدہ کیا، ہمیں تو یہ گمان ہوا کہ کہیں آپ کے ساتھ کوئی ناگہانی صورتِ حال تو پیش نہیں آ گئی، یا آپ پر وحی کا نزول تو شروع نہیں ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایسا کچھ نہیں ہوا، بس میرے اس بچے نے مجھے اپنی سواری بنالیا تھا، میں سجدے سے جلدی اٹھنے کو ناپسند کیا'' **ولکن ابنی ارتحلنی، فكرهت أن اعجله حتى يقضي حاجته**''۔

(مسند احمد، حدیث شداد بن الہاد، حدیث: ۱۶۰۳۳)

صاحبزادی محترمہ امامہ بنت حمزہ ؓ کا واقعہ

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت غزوۂ احد کے موقع سے سن ۳ھ میں ہوئی، جس وقت حضرت امامہ

بنت حمزہؓ نہایت کمسن تھیں، یہ حضرت سلمیٰؓ کے بطن سے تھیں، صحیح بخاری کی روایت کے متعلق ذیقعدہ سن ۷ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرۃ القضاء کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، صلح نامہ حدیبیہ کی شرائط کے مطابق تین دن قیام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے چلنے لگے تو امامہ بنت حمزہ "یا عم یا عم" کہتی ہوئی اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دوڑتی ہوئی آئیں اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اس وقت ''یا أخي یا أخي'' (یعنی بھائی بھائی) کہہ رہی تھیں (اس لئے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی اور خالہ زاد بھائی بھی تھے اور ان کے بھتیجے بھی) اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امامہ رضی اللہ عنہا کے بھائی اور چچا بھی ہوتے تھے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو گود میں اُٹھالیا، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کردیا کہ یہ تمہاری چچازاد بہن ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت جعفر بن ابو طالبؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ نے امامہ کو اپنی آغوش تربیت میں لینے کے حوالے سے الگ الگ دعوے پیش کئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ امامہ میری چچازاد بہن ہے، جب کہ حضرت جعفر بن طیارؓ کا دعویٰ تھا کہ وہ میری چچازاد بہن ہونے کے ساتھ ساتھ میری اہلیہ اسماء بنت عمیسؓ کی حقیقی بھانجی ہے، حضرت زید بن حارثہؓ کہتے تھے کہ وہ میرے دینی بھائی (حضرت حمزہؓ) کی لڑکی ہے، اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تنازع کا فیصلہ اس طرح فرمایا کہ حضرت جعفر کا استحقاق زیادہ ہے، کیوں کہ ان کی زوجہ اسماء بنت عمیسؓ حضرت امامہ کی حقیقی خالہ ہوتی ہیں اور خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے ''**الخالة بمنزلة الأم**'' اور یہ فرمایا: ''**إن المرأة لا تنكح على عمتها ولا على خالتها**'' (عورت اپنی پھوپھی اور خالہ کے شوہر سے شادی نہیں کرسکتی)۔ (صحیح البخاری، باب عمرۃ القضاء، حدیث: ۴۲۵۱)

تربیتِ اولاد و اخلاق و عادات

حضرت سلمی بنت عمیسؓ، عم رسول حضرت حمزہؓ، اور اُن کے بعد حضرت شداد بن الہاد کی زوجہ محترمہ، حضرت امامہ، حضرت عبداللہ اور عبدالرحمن رضی اللہ عنہم کی والدہ مکرمہ تھیں، انھوں نے اپنی اولاد کی بہترین تربیت کی، ان کو قرآن وحدیث پر پروان چڑھایا، دونوں مجاہد شوہروں کے حقوق نہایت صبر وتحمل کے ساتھ زندگی بھر ادا کرتی رہیں، بیٹوں کو عالم وفاضل بنایا، دونوں فرزندان بلکہ شوہر حضرت شدادؓ بھی رُواتِ حدیث میں شمار ہوتے ہیں اور حضرت حمزہؓ تو سید الشہداء اور عمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رہے ہیں۔

وفات

ان کے مزید احوال کا پتہ نہیں چلتا، ان کی سن وفات بھی کتب تاریخ میں درج نہیں۔

اصلاحی مضامین

مدارس اسلامیہ اور عصری تعلیمی مراکز

از: حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ

ہندوستان کی علمی تاریخ سے جو لوگ واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسلمانوں کے دورِ اقتدار میں تعلیم وتدریس کا تمام تر انحصار مسلم حکمرانوں، امراء اور نوابین کی علم پروری، علماء نوازی اور داد ودہش پر تھا، ہر شہر اور قصبات میں سلاطین اور امراء کی جانب سے مدرسے قائم تھے جن کے مصارف کی مکمل ذمہ داری شاہی خزانے پر ہوتی تھی، چنانچہ اجمیر، دہلی، پنجاب، آگرہ، اودھ، بنگال، بہار، دکن، مالوہ، ملتان، کشمیر، گجرات وغیرہ میں اس قسم کی ہزاروں درسگاہیں قائم تھیں، ان باقاعدہ درسگاہوں کے علاوہ علماء شخصی طور پر بھی اپنے اپنے مستقر پر تعلیم وتعلّم کی خدمات انجام دیا کرتے تھے، اور ان علماء کو معاش کی جانب سے بے فکر رکھنے کے لئے دربار شاہی سے مددِ معاش کے عنوان سے جاگیریں اور وظائف مقرر تھے۔

مسلمانوں کا یہ نظامِ تعلیم ۱۸۵۷ / تک قائم رہا، اس نظامِ تعلیم میں عام طور پر صَرف، نحو، بلاغت، فقہ، اصول فقہ، منطق، کلام، تصوف، تفسیر، حدیث وغیرہ کے علوم وفنون پڑھے پڑھائے جاتے تھے، البتہ حدیث و تفسیر کا فن برائے نام تھا، زیادہ توجہ فقہ واصول فقہ اور پھر منطق وفلسفہ پر دی جاتی تھی۔

۱۸۵۷ / میں جب ہندوستان سے مسلمانوں کی حکومت کا چراغ گل ہوگیا، اور مسلمانوں کے بجائے سیاسی اقتدار پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا تو یہاں کے عام باشندے اور بطور خاص مسلمان "انّ الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها وجعلوا اعزة اهلها اذلة" (۱) کے فطری اصول کا تختۂ مشق بن گئے۔

اس سیاسی انقلاب نے مسلمانوں کے اقتصادی، تمدنی اور علمی ودینی نظام کو کس طرح پامال کیا اس کی تفصیل سرولیم ہنٹر نے اپنی کتاب " آورانڈین مسلمانز" ہمارے ہندوستانی مسلمان میں کسی قدر بیان کی ہے، انھوں نے ایک جگہ مسلمانوں کی اقتصادی زبوں حالی اور مشکلات پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

حکومت نے ان کے لئے تمام اہم عہدوں کا دروازہ بند کردیا ہے۔ دوسرے ایسا طریقہ تعلیم جاری کردیا ہے جس میں ان کی قوم کے لئے کوئی انتظام نہیں ہے تیسرے قاضیوں کی موقوفی نے ہزاروں خاندانوں کو جو فقہ

اور اسلامی علوم کے پاسبان تھے بیکار اور محتاج کر دیا ہے، چوتھے ان کے اوقاف کی آمدنی جو ان کی تعلیم پر خرچ ہونی چاہئے تھی غلط مصرفوں پر خرچ ہو رہی ہے۔(۱)

تعلیم کے سلسلہ میں اس نئی حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ اس طرح کا تعلیمی نظام رائج کیا جائے جسے پڑھ کر ہندوستانی ذہنی وفکری طور پر بالکل انگریز یا کم از کم ایماندار ومحنتی رعایا بن جائیں۔ چنانچہ مسٹر انفنسٹن اپنی یاد داشت میں لکھتے ہیں:

میں اعلانیہ نہیں تو درپردہ پادریوں کی حوصلہ افزائی کروں گا، اگرچہ مجھے گورنر صاحب سے اس بارہ میں اتفاق ہے کہ مذہبی امور میں امداد کرنے سے احتراز کیا جائے تاہم جب تک ہندوستانی لوگ عیسائیوں کی شکایت نہ کریں، تب تک ان کی تعلیم کے مفید ہونے میں ذرا شبہ نہیں، اگر تعلیم سے ان کی رایوں میں ایسی تبدیلی پیدا نہ ہوسکے کہ وہ اپنے مذہب کو لغو سمجھنے لگیں تاہم وہ اس سے زیادہ ایماندر محنتی رعایا تو ضرور بن جائیں گے۔(۲)

اس سلسلے کی تفصیلات کے لئے اسباب بغاوت ہند از سر سید مرحوم، روشن مستقبل از مولوی سید طفیل احمد مرحوم اور نقشِ حیات، ج ۲ از شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ ملاحظہ کی جائیں۔

ان حالات میں مسلم مفکرین ومدبرین کا یہ متفقہ فیصلہ ہوا کہ گورنمنٹ کا قائم کیا ہوا نظامِ تعلیم مسلمانوں کی ضرورت کو پورا نہیں کرسکتا، بلکہ یہ اسلامی تہذیب اور کلچر کیلئے تباہ کن اور ان کے عقائد واخلاق کے واسطے مہلک ہے، مگر اس نظام کی اصلاح کے سلسلے میں ان کی رائیں مختلف ہوگئیں، ایک جماعت نے مسلمانوں کی اس زبوں حالی کا علاج انگریزی علوم وفنون اور تہذیب وتمدن میں تجویز کیا، بالفاظ دیگر اس جماعت کا اصل مقصد مسلمانوں کی اقتصادی اصلاح اور دنیوی پستی کا دور کرنا تھا، اس جماعت کے سربراہ اور قائد سر سید احمد مرحوم تھے، اور اس نظریہ کا اولین مظہر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہے، سر سید مرحوم بھی اگرچہ مذہب کی ضرورت کو تسلیم کرتے تھے مگر دنیوی ترقی کو وہ اولیت دیتے تھے، ان کا خیال یہ تھا کہ دنیوی ترقی کی راہ سے دینی مقاصد تک پہنچا جائے، مرحوم اپنے اس نظریہ کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے تھے۔

"فلسفہ ہمارے دائیں ہاتھ میں ہوگا، نیچرل سائنس بائیں ہاتھ میں اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا تاج سر پر۔"

مگر وہ اپنے اس منصوبہ میں کامیاب نہیں ہوسکے، چنانچہ تحریک علی گڈھ کے معقول وکیل اور سر سید مرحوم کے زبردست حامی شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں: "وہ مغربی علوم کے ساتھ ایمان کامل اور صحیح مذہبی تربیت کو ضروری سمجھتے تھے، لیکن اس میں انھیں پوری کامیابی نہیں ہوئی۔"(۱)

اس ناکامی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے یہی شیخ اکرام لکھتے ہیں:

"جن لوگوں نے مسجدوں کی چٹائیوں پر بیٹھ کر تعلیم پائی، ان میں تو سرسید، محسن الملک اور وقار الملک جیسے مدبر اور منتظم پیدا ہوئے، جو لوگ انگریزی سے قریب قریب ناواقف تھے اور جن کے لئے مغربی ادب ایک گنج سربستہ تھا انھوں نے نیچرل شاعری اور ایک جدید ادب کی بنیاد ڈالی، اور آب حیات، سخندانِ فارس، شعر وشاعری، مسدس حالی جیسی کتابیں تصنیف کر لیں، لیکن جن روشن خیالوں نے کالج کی عالیشان عمارتوں میں تعلیم حاصل کی اور جن کی رسائی مغرب کے بہترین اساتذہ اور دنیا بھر کے علم وادب تک تھی وہ مطمح نظر کی پستی اور کیرکٹر کی کمزوری سے فقط اس قابل ہوئے کہ کسی معمولی دفتر کے کل پرزے بن جائیں۔" (مزید تفصیل کے لئے موج کوثر کے صفحات ۱۵۰-۱۵۱ پر دیکھی جائے۔)

مفکرین اسلام کی دوسری جماعت کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اب ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی بقاء کا واحد ذریعہ اسلامی تعلیمات ہیں، لہٰذا برٹش گورنمنٹ کی تعلیمی امداد واعانت سے صرفِ نظر کر کے دینی درسگاہیں اور اسلامی ادارے قائم کئے جائیں، اس جماعت کے سامنے بھی مسلمانوں کی اقتصادی زبوں حالی تھی مگر اس نے اولیت ایمانیات وروحانیات کو دی اس جماعت کے سرخیل اور میر کارواں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے، اور نقطۂ نظر کا مظہر اولین دارالعلوم دیوبند ہے، شیخ اکرام ان دونوں نظریوں کے اختلاف کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"سرسید کا مقصد مسلمانوں کے دنیوی تنزل کو روکنا تھا اور ارباب دیوبند کی نظر دینی ضرورت پر تھی، پھر سرسید طبقۂ امراء کے رکن تھے اور مولانا قاسم جمہور کے نمائندے"۔(۱)

اس دوسرے نظریہ اور طریقۂ کار پر پیام ندوہ میں ان الفاظ میں تبصرہ کیا گیا ہے۔

"اس حقیقت سے کوئی ہوشمند اور منصف انسان انکار نہیں کرسکتا کہ دارالعلوم دیوبند کے فضلا نے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیل کر دین خالص کی جس طرح حفاظت کی ہے، اور اس کو بدعت تحریف اور تاویل سے محفوظ رکھا ہے اس سے ہندوستان میں اسلامی زندگی کے قیام وبقا واستحکام میں بیش بہا مدد ملی ہے اور آج جو صحیح اسلامی عقائد، دینی علوم، اہل دین کی وقعت اور صحیح روحانیت اس ملک میں نظر آتی ہے اس میں بلاشبہ اس کا نمایاں اور بنیادی حصہ ہے"۔

آج کل ہندوستان میں مسلمانوں کے جو دینی ودنیاوی ادارے اور تعلیم گاہیں قائم اور اپنے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں وہ انھیں دونوں نقطۂ نظر کی ترجمان ہیں اور اپنے اپنے نظریے کے مطابق مسلمانوں کی علمی،

دینی اور دنیاوی تعمیر وترقی میں مصروف عمل ہیں، اب اگر کسی ایک نظریہ کو دوسرے پر بزور تھوپنے کی کوشش کی جائے گی تو یہ اتحاد و اتفاق کے بجائے انتشار اور پراگندگی کا سبب ہوگی، آج کل ایک خاص حلقے کی طرف اسلامی درسگاہوں کی اصلاح و تنظیم کی آواز بڑی شدومد کے ساتھ بلند کی جارہی ہے بالخصوص مدارس کے نصاب اور نظام تعلیم وتربیت پر کھلے الفاظ میں حملے کئے جارہے ہیں۔

یہ اپنی جگہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ کسی بھی تحریک کو بارآور رکھنے اور اُسے مفید تر بنانے کے لئے ضرورت کے مناسب اس میں اصلاح اور تجدید وتطہیر کا عمل جاری رہنا چاہئے جس سے مدارس اسلامیہ قطعاً مستثنیٰ نہیں ہیں، لیکن اس اصلاح کے نام پر انھیں اسکول وکالج کے قالب میں ڈھال دینے کی تجویز کسی صورت بھی قابل قبول نہیں ہے۔

ہمارے ملک میں جہاں مکمل طور پر لادینی نظام تعلیم رائج ہے اور ہمارے مسلم بچوں کی نوے فیصد سے بھی زائد تعداد اسی نظام سے وابستہ ہے۔ لے دے کر صرف چار پانچ بچے ہی اسلامی تعلیم سے متعلق ہیں اب اگر ان مدرسوں کو بھی ملک میں رائج اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے سانچے میں ڈھال دیا گیا تو پھر بتایا جائے کہ اسلامی علوم وفنون کو زندہ رکھنے کی کیا صورت ہوگی۔ پھر یہ آواز ایک ایسے وقت میں بلند کی جارہی ہے جبکہ حکومت وقت اپنے ذہنی تحفظات اور مخفی عزائم کے تحت "مدرسہ بورڈ" کا دام ہم رنگ زمیں کے ذریعہ مدارس کا شدھی سنگھٹن کرنے کی تیاریوں میں مصروف عمل ہے۔

ملت کے ان درمندوں کو آخر یہ روشن حقیقت کیوں نظر نہیں آتی کہ جماعت مسلمین کے وہ نوے فیصد سے زائد طلبہ جو عصری تعلیم گاہوں سے منسلک ہیں وہ ملت کی اقتصادی زبوں حالی اور معاشی کمزوریوں کو دور کرنے میں اپنا کوئی نمایاں اور قابل ذکر کردار پیش نہیں کرسکے تو پھر یہ چار و پانچ فیصد بچے اس سلسلے میں کیا انقلاب لاسکتے ہیں۔

اس لئے ہماری ان دانشمندوں اور ملت کے بہی خواہوں سے مخلصانہ گذارش ہے کہ خدارا مدارس اسلامیہ کو اصلی مدارس کے فکر وعمل کے دائرے میں بحالہ چھوڑ دیجئے اور ژرف نگاہی وبالغ نظری سے ملت کی زبوں حالی کی واقعی علت اور سبب سمجھئے اور پھر جرأت واستقلال کے ساتھ اسے دور کرنے کی جدوجہد کیجئے۔ مدارس کو کالج بنادینے کی سعی لاحاصل میں اپنی قوت وطاقت کو رائگاں کرنا بے سود ہے، ملت اسلامیہ اسے کسی قیمت پر تسلیم نہیں کرسکتی۔

عالمِ عرب

شعلوں کے بیچ فلسطینیوں کی صدائیں

از: مولانا مفتی محمد سلمان قاسمی محبوب نگری*

"نداء ہند" ایک سوشیل میڈیا چینل یا پیج ہے جو خاص طور پر "مسئلہ فلسطین" پر آواز اٹھانے اور اس کو ہائلیٹ کرنے کی کوشش کرتا ہے، پیج ہولڈرز نے مختلف سوشیل میڈیا پلیٹ فارمز سے ماخوذ کچھ اہل فلسطین کی آہ و فغاں اور چیخیں جو انہوں نے سنی اور سوشیل میڈیا پر وائرل ہوئی ہیں ایک عنوان "أصوات من تحت النار" کے نام سے اپنے انسٹا گرام اکاؤنٹ پر نشر کیا ہے۔

یعنی وہ فغائیں جو شعلوں کی لپیٹوں کے بیچ سنی گئیں ہیں، جن کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ شاید اللہ نے قرآن پاک میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے: "مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ (البقرہ:214) ترجمہ: انہیں سختی اور شدت پہنچی اور انہیں زور سے ہلا ڈالا گیا یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھ ایمان والے کہہ اٹھے: اللہ کی مدد کب آئے گی؟

قارئین! دل کی آنکھوں سے ان کو پڑھ کر عبرت حاصل کریں اور اپنی ایمانی حمیت کو مہمیز دیں کہ آخر اہل فلسطین کس قدر قیامت خیز دور سے گزر رہے ہیں، اور ہمارا حال کیا ہے۔

سوزان اغزہ نامی ایک خاتون کی صدا سنیں: میں یہ بالکل بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ مجھے یقین نہیں ہو رہا ہے کہ ہم پھر سے جنگ میں جھونک دیے گئے۔

حمزہ نامی ایک شخص کہتا ہے:" خدا کے لیے، بس کریں جنگوں کو! ہم بہت برداشت کر چکے ہیں، ہم واقعی تھک چکے ہیں؛ خداوندا! ہمارے پاس اب مزید طاقت نہیں رہی۔" مجھے لگتا ہے میرا دل مزید بمباری اور دھماکوں کی آوازیں سننے کا متحمل نہیں ہے"۔ ہمارے لیے دعا کریں، ہم اپنی زندگی کے سب سے مشکل وقت سے گزر رہے ہیں۔

صفیہ نامی ایک لڑکی کہتی ہے:" صبح سے میں ہر اس شخص کو الوداع کہہ رہی ہوں جسے میں جانتی اور محبت کرتی ہوں، اب مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہو کہ میرا اختتام قریب ہے"۔

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

اچانک بمباری پر ایک ماں اپنی کیفیت بیان کرتی ہے: میں گہری نیند میں تھی اچانک رات 2 بجے بمباری کے دھماکوں اور ایمبولینس کے سائرن کی آواز نے مجھے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ میں نے خود کو گھبراہٹ میں ادھر ادھر چلتے ہوئے پایا، بالکل بے خبر کہ میں کیا کر رہی ہوں۔ خوف نے ایک بار پھر میرے دل کو جکڑ لیا۔ میرے بچے پکارنے لگے،" امی، امی!" میں نے خود کو ان کے لیے سنبھالا اور کہا،" ہم ٹھیک ہیں، یہ صرف دور کی آوازیں ہیں۔" لیکن اندر سے میں بالکل ٹوٹ چکی تھی، خوف اور صبر کے درمیان جھول رہی تھی، اے خدا! غزہ آپ کے حوالے۔

دینا نامی لڑکی کی فریاد سنیں! "کیا ہمیں حق ہے کہ ہم ایک پُرامن زندگی گزاریں اور اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ سوچیں؟ ہم بہ مشکل اس تکلیف سے نکلے تھے جس سے گزر رہے تھے، اور ہم ابھی تک جذباتی طور پر سنبھل بھی نہیں پائے۔ اے خدا، تو ہی ہے جو ہماری مدد کر سکتا ہے!

روا ابوسالم نامی شخص کہتا ہے: "جنگ کے واپس آنے کے بارے میں سوچ کر ہی میرا دل تیز دھڑکنے لگ گیا ہے۔ میں قسم کھاتا ہوں، دنیا! ہم مزید جنگیں نہیں چاہتے"۔

یہ کچھ لوگوں کی فریاد نہیں، ایک ایک فلسطینی کے دل کی صدا ہے، خدا خدا کر کے یہ امن آدھا رمضان نہیں گزارا کہ پھر ان پر آفت کی بجلیاں کوندنے لگی ہیں، پھر ان پر بموں کی بارش شروع کر دی گئی ہے، ایک فلسطینی خاتون انسٹاگرام پر رات میں اپنے شوہر اور دو بچوں کے ساتھ خوشی خوشی پوسٹ شیئر کرتی ہے یہ کیپشن لکھ کر" خوش حال پریوار" اور صبح تک اس کے سارے خاندن کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے، نہ جانے ایسے کتنے خاندان ہیں، کتنے معصوم بچے ہیں، کتنی بے بس خواتین ہیں، ذرا تصور کریں کہ رات میں اس ارادے سے محوخواب ہوئے کہ صبح سحر میں اٹھنا ہے، اور صبح ہوتے ہوتے وہ نیند زندگی کی آخری نیند بن گئی، اب ہمیشہ کے لیے سو گئے۔

غرض ہم اپنی غفلت میں پڑے مست ہیں، ایک بڑے طبقے کو تو ان مجاہدین کی قربانیوں کا احساس تو کیا! علم بھی نہیں ہے، بالکل بے پرواہ ہو کر اپنی زندگی کے ڈگر پر رواں ہیں، خواہشات کی نگری میں مزے کر رہے ہیں، لکھنے کو بہت کچھ ہے، دل کا حال بتائیں تو بس ایسا لگتا ہے کہ فرط غم میں دم گھٹ رہا ہو، آنکھیں خون رونا چاہتی ہیں، ان کی بے بسی اور حکام عرب کی بے حسی کو دیکھ کر بے ساختہ زبان سے نکل جاتا ہے۔ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ

غرض وہ خالق کون و مکاں ہے، یہ اسی کا حلم ہے کہ اپنی رعیت پر اس قدر ظلم دیکھ کر بھی مہرِ ضبط تھامے ہوئے ہے، ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہمارے ان مجاہد فلسطینی بھائیوں کا خون رائیگاں نہیں جائے گا، یہ بس ظالم اسرائیل اور ملعون نتن یاہو کے حق میں استدراج ہے، فلسطین کا اختتام نہیں۔ اور یہ آیت ہمارا سہارا ہے:

وَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعۡمَلُ الظّٰلِمُوۡنَ ۬ؕ

دعوتِ غور و فکر

بٹ کوائن میں مصنوعی طور پر قیمت کیسے پیدا کی گئی؟

تحریر و تخریج: ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی

بٹ کوائن کو اگر ہم تاریخی طور پر دیکھیں تو یکم نومبر سن ۲۰۰۸ کو ساتوشی ناکاموٹو (ایک فرضی نام) نے کرپٹوگرافی میلنگ لسٹ پر ایک ای میل بھیجا جس میں اس نے اس بات کا اظہار کیا کہ وہ ایک ایسے الیکٹرونکس کیش سسٹم پر کام کر رہا ہے جو کہ مکمل طور پر پی ٹو پی (Peet to Peer (P2P ہوگا اور جس میں کسی ٹرسٹڈ تھرڈ پارٹی Trusted Third Party کا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا یعنی بیچ میں کوئی ادارہ ملوث نہیں ہوگا۔ پھر سن ۲۰۰۹ میں ساتوشی ناکاموٹو نے بٹ کوائن (Bitcoin (BTC نامی کرپٹوکرنسی (Cryptocurrency) کو مارکیٹ میں لانچ کر دیا۔ ساتوشی ناکاموٹو بٹ کوائن وائٹ پیپر میں دعویٰ کرتا ہے کہ بٹ کوائن ایک ایسی کرپٹو کرنسی ہے جو کہ ڈی سینٹرلائزڈ ہے اور اس کو کام کرنے کیلئے کسی تھرڈ پارٹی کی ضرورت نہیں ہے یعنی کسی بینک یا کسی دوسرے فنانشل ادارے کی ضرورت نہیں ہے۔

اسی تناظر میں ۳ جنوری سن ۲۰۰۹ میں سب سے پہلا بلاک بٹ کوائن بلاک چین میں شامل کیا گیا۔ یعنی آسان الفاظ میں اس دن بٹ کوائن کرپٹوکرنسی کی شروعات ہوئی۔ اس دن ساتوشی ناکاموٹو نے جینیس بلاک Genesis Block مائن کیا۔ اس پہلے بلاک میں ایک ٹرانزیکشن شامل کی گئی اور وہ کوائن بیس ٹرانزیکشن Coin Base Transaction تھی یعنی اس پہلے بلاک کو مائن کرنے کے معاوضہ کے طور پر ۵۰ بٹ کوائن کا پہلی مرتبہ بٹ کوائن کھاتے میں اندراج ہوا۔

یہاں پر بنیادی بات سمجھنے کی ہے کہ جس دن بٹ کوائن کا کھاتے میں اندراج ہوا، اس بلاک کے ہیش کو ہم بٹ کوائن نہیں کہہ سکتے۔ نیز جس ایڈریس پر بیس کوائن ٹرانزیکشن مائننگ کے معاوضہ کے طور پر ادا کی گئی وہ بھی بٹ کوائن نہیں ہیں۔ نیز جو ۵۰ بٹ کوائن کا کھاتے میں اندراج ہوا، وہ محض ایک فرضی نمبر ہیں اور ان نمبروں کی ڈیجیٹل فارم کو بھی ہم بٹ کوائن نہیں کہہ سکتے۔ بعض لوگوں کو کمپیوٹر سائنس کا علم نہ ہونے کی وجہ سے یہیں پر مغالطہ ہوا ہے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ کھاتے میں اندراج کئے گئے ۵۰ بٹ کوائن اصل میں موجود ہیں، حالانکہ

یہ محض فرضی ۵۰ نمبروں کا کھاتے میں اندراج تھا۔ دیکھیے یہ جو بٹ کوائن کا کھاتے میں اندراج ہورہا ہے اور پھر آگے چل کر ایک دوسرے کو منتقلی ہورہی ہے اوران تمام معاملات کا اندراج کھاتے میں ہورہا ہے، اس تمام عمل کو بٹ کوائن کے معاملات کا اندراج تو کہا جاسکتا ہے مگر یہ بذاتِ خود بٹ کوائن نہیں۔ آسان الفاظ میں بٹ کوائن کرپٹوکرنسی کے معاملات کے کھاتے میں اندراج کو بٹ کوائن کرنسی کی حقیقت نہیں کہا جاسکتا۔ اسی وجہ سے جب بٹ کوائن کی شروعات کی گئی تو کھاتے میں درج ان مصنوعی نمبروں کی کوئی قیمت نہیں تھی اور پھر آگے چل کر کچھ لوگوں نے مصنوعی طور پر اس میں قیمت پیدا کی۔

اس کو ایک آسان مثال سے سمجھتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک شخص اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے یہ خیال ذہن میں لاتا ہے کہ کاش اس کی بھی کوئی بڑی ہاؤسنگ سوسائٹی ہوتی اور اس کے پلاٹوں کو بیچ کر وہ پیسے کماتا۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھے بیٹھے ہی اس نے سوچا کہ کراچی کی سپر ہائی وے پر اس نے زمین خرید لی، پھر خیالی طور پر اس نے ابتدائی سرمایہ کاری کر کے اس تک بجلی، گیس، سڑکیں اور دیگر عوامی سہولیات یکجا کرلیں۔ پھر اس نے خیالی طور پر اس سوسائٹی کی زمین پر سو گز کے پچاس، دوسو گز کے پچاس اور ہزار گز کے بیس پلاٹ بنائے اور پھر ان پلاٹوں کو نمبر بھی خیالی طور پر الاٹ کر دیا۔ سو گز کے پلاٹوں کی نمبرنگ 1A to 50A، دوسو گز کے پلاٹوں کی نمبرنگ 1B to 50B، اور ہزار گز کے پلاٹوں کی نمبرنگ 1C to 50C تک اپنے ذہن میں فرضی طور پر کرلی۔ پھر اس نے ان پلاٹوں کے نمبروں کے مطابق کھاتے (بلاک چین) میں اندراج کر دیا اور لوگوں کو کہا کہ آیئے آپ ان پلاٹوں کو خریدیئے اور سو گز کے ہر پلاٹ کی قیمت دس لاکھ، دوسو گز کے ہر پلاٹ کی قیمت بیس لاکھ اور ہزار گز کے پلاٹ کی قیمت پچاس لاکھ رکھی۔ پھر ویب سائٹ اور اشتہارات کے ذریعے اس فرضی سوسائٹی کی مشہور کروایا۔ شروع میں تو ان فرضی پلاٹوں کی قیمت کو کسی نے تسلیم نہیں کیا مگر پھر آہستہ آہستہ مصنوعی طور پر اس کی قیمت بڑھائی گئی اور آخر کار مصنوعی قیمت اس کے اختراعی قیمت کے برابر لوگوں میں مشہور ہوگئی اور لوگوں نے اس قیمت کو تسلیم بھی کرلیا۔ پھر لوگوں نے ان پلاٹوں کو خریدنا شروع کر دیا اور پھر ہر خریداری کے وقت کھاتے (بلاک چین) میں اُس خریدار کا نام اور اس کا پلاٹ نمبر درج کر دیا گیا۔ پھر لوگوں نے آگے ان پلاٹوں کو بیچنا شروع کر دیا اور اس طریقے سے ایک پورا پلاٹوں کا کاروبار شروع ہوگیا اور کچھ لوگوں نے اس سے بہت زیادہ منافع بھی کمایا۔

انہی پلاٹوں کو خریدنے والے ایک خریدار نے سوچا کہ چلو میں اپنے خریدے گئے پلاٹ پر تعمیر شروع کرتا ہوں اور اپنی فیملی کو اس نئی ہاؤسنگ سوسائٹی میں شفٹ کرتا ہوں۔ تو اس پر یہ عقدہ کھلتا ہے کہ اصل میں تو پلاٹ

سرے سے موجود ہی نہیں! مزید تحقیق کرتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ ایک فرضی ہاؤسنگ سوسائٹی کا بلاک چین پر پروجیکٹ شروع کیا گیا، فرضی نمبر الاٹ کئے گئے، مصنوعی طور پر اس میں قیمت پیدا کی گئی اور پھر خرید وفروخت کا اندراج بلاک چین (کھاتے) میں کیا گیا۔ قارئین، آپ ہی بتائیے کہ کیا یہ فراڈ نہیں؟ اب کوئی دلیل دینے والا دلیل دے کہ دیکھیے ٹرانزیکشن ہورہی ہے کہ نہیں، تو کیا آپ اس کو تسلیم کریں گے؟ کوئی یہ دلیل دے کہ دیکھیے پلاٹ کا پورا پورا اندراج کھاتے میں موجود ہے، تو کیا آپ اس کو مانیں گے؟ کوئی یہ دلیل دے کہ دیکھیے یہ ڈیجیٹل شکل میں تو موجود ہے اور لوگ اس کو عرف میں تسلیم بھی کررہے ہیں تو کیا آپ اس دلیل کو مانیں گے؟

کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ دیکھیے پلاٹ کی صورت میں یہ فراڈ اس وجہ سے ہے کہ اس میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کی حقیقت میں پلاٹ حِسّی طور پر موجود ہیں، مگر وہ پلاٹ حقیقت میں موجود نہیں تھے اور محض کمپیوٹر پر اندراج تھا۔ البتہ کرپٹوکرنسی کے تناظر میں شروع سے ہی یہ حقیقت عوام کو بتادی گئی تھی کہ کوئی حِسّی شئی موجود نہیں ہوگی اور یہ کرنسی، ڈیجیٹل کرنسی ہوگی لہذا پلاٹ کی صورت میں فراڈ کو کرپٹوکرنسی پر محمول کرکے فراڈ قرار دینا منطقی نہیں لگتا۔ بس، یہیں پر تو فراڈ ہورہا ہے کہ اب بجائے فرضی پلاٹوں کے، کوئی شخص کرنسی کو تَصَوُّر ذہن میں لائے، پھر ذہن میں فرضی طور پر اس کرنسی کے بارے میں سوچے اور پھر کھاتے میں اس فرضی کرنسی کے نمبروں کا اندراج کرے اور پھر مصنوعی طور پر اس میں قیمت پیدا کی جائے، تو کیا یہ فراڈ نہیں؟ یہ یقیناً فراڈ ہی کی ایک اعلیٰ قسم ہے اور نتیجتاً اس وقت عالمی سطح پر بے تحاشہ پونزی اسکیمیوں کے ذریعے لوگوں نے فرضی کرنسیاں مارکیٹ میں متعارف کروائیں، ان سے پیسہ بنایا اور پھر مارکیٹ سے پیسہ لے کر غائب ہوگئے۔ فرضی ہاؤسنگ سوسائٹی کی صورت میں فراڈ کرنے کیلئے بڑی محنت درکار تھی مگر کرپٹوکرنسی کی صورت میں فراڈ کرنا آسان کردیا اور یہی وجہ ہے کہ اس وقت مارکیٹ میں سترہ ہزار سے زیادہ کرپٹوکرنسیاں موجود ہیں۔ کرپٹوکرنسی کے تناظر میں اس فراڈ کو بڑے نفیس طریقے سے کیا جاتا ہے اور اس میں کمپیوٹر سائنس کی مشکل اصطلاحات کا استعمال مثلاً کرپٹوگرافک پزل، ہیشنگ، بلاک، ڈیفیکلٹی، پبلک پرائیوٹ کی، کرپٹوگرافی، مائننگ وغیرہ کا استعمال کرکے اور اس کی عالمی پیمانے پر نشر واشاعت اور پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے لہذا یہ فراڈ اور قمار بازی کی خطرناک نئی شکل بن جاتی ہے، اور یہی کچھ تو بٹ کوائن میں ہورہا ہے۔ خیر ہم واپس اپنے اصل موضوع یعنی بٹ کوائن میں مصنوعی قیمت کیسے پیدا کی گئی کی طرف آتے ہیں۔

بٹ کوائن کھاتے کی شروعات کے کچھ دنوں بعد یعنی ۱۲ جنوری سن ۲۰۰۹ کو بٹ کوائن کرپٹوکرنسی کی پہلی باقائدہ ٹرانزیکشن بلاک نمبر ۱۷۰ میں اندراج ہوئی اور اس ٹرانزیکشن میں ساتوشی ناکاموٹو نے کمپیوٹر پروگرامر

ہال فنی Hal Finney کو دس بٹ کوائن بھیجے۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا اور بٹ کوائن کھاتے کی شروعات کے بعد وقتاً فوقتاً مختلف ایڈریس کے ذریعے سے مختلف ٹرانزیکشنز کی گئیں، اور بہت زیادہ تعداد میں بٹ کوائن کرپٹوکرنسی تخلیق (مائن) کی گئی اور پھر مختلف ٹرانزیکشنز کے ذریعے ان بٹ کوائن کا باہمی تبادلہ بھی کیا گیا۔

۱۵ اکتوبر ۲۰۰۹ میں نیولبرٹی اسٹینڈرڈ نے بٹ کوائن کے پہلے ایکسچینج ریٹ متعین کئے یعنی ایک بٹ کوائن صفر اشاریہ صفر صفر صفر سات چھ امریکی ڈالر کے برابر متعین ہوا (1BTC=USD00076.0) یا اس کو کہہ سکتے ہیں کہ ایک امریکی ڈالر سے ایک ہزار تین سو نو اشاریہ صفر تین بٹ کوائن (1BTC=USD 03.1309) خریدے جاسکتے تھے۔ بٹ کوائن کا ایکسچینج ریٹ تو متعین ہوگیا مگر ان بٹ کوائن سے سب سے پہلی مرتبہ حقیقی اشیاء کی خریداری سن ۲۰۱۰ میں ہوئی۔ جب پہلی مرتبہ دس ہزار بٹ کوائن کی مدد سے دو پیزا خریدے گئے جس کی آج کی مالیت کڑوروں پاکستانی روپے سے بھی زیادہ بنتی ہے اور اسی مناسبت سے بٹ کوائن پیزا کا دن بھی منایا جاتا ہے۔ اسی طریقے سے اور لوگوں نے بھی بٹ کوائن کرپٹوکرنسی سے چیزوں کو خریدنے کی کوشش کی اور بٹ کوائن کرپٹوکرنسی کی خرید و فروخت کیلئے ایکسچینج بھی قائم کیا گیا۔

۱۷ جولائی سن ۲۰۱۰ کو ایم ٹی گوکس MtGox نامی بٹ کوائن کرپٹوکرنسی ایکسچینج وجود میں آیا۔ اکتوبر سن ۲۰۱۰ میں ایف اے ٹی ایف نے رپورٹ جاری کی جس میں وارننگ جاری کی گئی کہ ڈیجیٹل کرنسیوں کو منی لانڈرنگ اور دہشت گردوں کی معاونت کیلئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ پھر ۹ فروری ۲۰۱۱ کو ایک بٹ کوائن کی قیمت ایک امریکی ڈالر کے برابر ہوئی۔ شروع کے دو سالوں میں بٹ کوائن کی تمام دولت پر محض ۶۴ لوگوں کا قبضہ تھا۔ یعنی بٹ کوائن لانچ ہونے سے لے کر بٹ کوائن کی قیمت ایک امریکی ڈالر تک، یعنی تقریباً دو سال کا عرصہ، چونسٹھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے زیادہ تر بٹ کوائن کو مائن کیا۔

خلاصہ یہ کہ سب سے پہلے فرضی نمبروں کا کھاتے میں اندراج کیا گیا، پھر کوشش کی گئی کہ ان فرضی نمبروں سے کچھ خریداری کی جائے اور بلا آخر ان فرضی ہندسوں کے ذریعے پہلی خریداری پیزا کی شکل میں ہوئی یعنی ان فرضی ہندسوں میں فرضی طور پر تقوّم پیدا کیا گیا ہے۔ اگر آپ مزید گہرائی میں تفصیلات جاننا چاہتے ہیں کہ کس طریقے سے بٹ کوائن کے اندر مصنوعی طور پر تقوّم پیدا کیا گیا اور کس طریقے سے کوششیں کر کے مختلف اشیاء کی خرید و فروخت بٹ کوائن کے ذریعے کرنے کی کوشش کی گئی، اس کیلئے ہسٹری آف بٹ کوائن

http//:historyofbitcoin.org/

کی ویب سائٹ اور دیگر سائنسی مقالے دیکھیے۔

افاداتِ اکابر

اشرف المجالس

ترتیب وپیش کش: مفتی محمد احمد علی صاحب قاسمی*

مخدومنا ومحبوبنا حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہ العالی ہر جمعہ بعد نمازِ عصر ہفتہ واری اصلاحی مجلس میں حکیم الامت مجددُ الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے "منتخب ملفوظات" (مرتبہ حضرت مولانا یحییٰ نعمانی زید مجدہٗ) کی تعلیم فرماتے ہیں، اُن ملفوظات کی توضیح وتشریح کو برادرِ عزیز حافظ مولانا مفتی احمد علی قاسمی زید فضلہٗ نے ضبط وترتیب دیا ہے۔

از مرتب

(۳۰) سچی چاہت انسان کو کامل اور کامیاب بناتی ہے

ارشاد فرمایا:۔ اپنے اندر اچھی صفات واخلاق کو کیسے پیدا کیا جائے؟ تو اس کے لیے آدمی کو خود ہمت اور ارادہ کرنا چاہیے کہ میں اپنے اندر ان صفات واخلاق کو دیکھنا چاہتا ہوں، خود چاہے گا تو کام شروع ہوگا، ہر عمل چاہت کے بعد وجود میں آتا ہے؛ اس لیے چاہنا چاہیے، جو باتیں قرآن وحدیث میں ہم پڑھتے ہیں ان کی چاہت پیدا کرنا چاہیے، جب چاہت پیدا ہوگی تو فکر ہوگی کہ وہ کیسے ہمارے اندر آجائے: مثلاً کسی شخص نے دیکھا کہ فلاں کے سر پہ ٹوپی ہے، بڑھیا ہے، پسند آئی کہ ایسی ٹوپی میرے پاس بھی ہونا چاہیے، یہی چاہت ہے، پھر فکر کرکے ٹوپی خریدے گا، تو معلوم ہوا کہ بنیادی سبب چاہت ہے، چاہت کے بعد سب اسباب بنتے چلے جاتے ہیں، ہمارے حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: جب میں مظاہرِ علوم سہارنپور میں پڑھتا تھا، غریب آدمی تھا، کوئی ذریعہ نہیں تھا، جسم کے کپڑوں کے ساتھ مدرسہ میں داخل ہو گیا تھا، ایک مرتبہ کتابوں کی دکان پر ایک اچھا سا خوب صورت قرآن مجید کا نسخہ چھوٹے سائز کا نظر آیا، وہ قرآنِ کریم دیکھا تو چاہت پیدا ہوئی کہ اس کو خریدنا چاہیے، پڑھنے میں رکھنے میں سہولت ہوگی، تو قیمت معلوم کیا، دکان دار نے کہا کہ ایک روپے میں ہے، (تب ایک روپیہ بہت بڑی چیز تھی) ایک پردیسی مسافر طالب علم کے پاس ایک روپیہ کہاں سے آتا؟ اسباب کچھ بھی نہیں تھے، اس زمانے میں مدرسے کے گیٹ پر رات کی نگرانی طلباء کرتے تھے (مطلب یہ ہے کہ

کوئی طالب علم اگر پیش کش کرتا تو اس کو موقع دیا جاتا تھا، ایک رات نگرانی کرنے کا ایک پیسہ ملتا تھا) میں نے بھی دفتر میں درخواست دی کہ میں رات میں گیٹ کی نگرانی کرنا چاہتا ہوں، درخواست منظور ہوئی، دن میں پڑھتا اور رات بھر نگرانی کرتا، روز کا ایک پیسہ جمع کیا جب 100 دن پورے ہو گئے تو 100 پیسے ملے تو فوراً میں نے وہ قرآنِ مجید خرید لیا، تو دیکھو چاہت پیدا ہوتی ہے تو چاہت کو پورا کرنے کے لیے کتنا مجاہدہ آدمی کر لیتا ہے، معلوم ہوا کہ چاہت ہی آدمی سے کام کرا لیتی ہے، ہم اعمال و اخلاق اور علمی کمال میں جتنے بھی کمزور ہیں یا محروم ہیں تو اس محرومی کی وجہ چاہت کی کمی ہے۔

چاہنے والے کو ہم شان کئی دیتے ہیں

جو چاہے گا تو برابر پائے گا حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی فرماتے تھے: کہ میرا دل بہت چاہتا تھا کہ حرمین شریفین کی حاضری ہو، اس زمانے میں سوڈیڑھ سو روپیے میں حجازِ مقدس جانے آنے کا ٹکٹ بن جاتا تھا، پانی کے جہاز سے جاتے تھے، فراغتِ تعلیم کے بعد جب کام میں لگنا چاہا، تو جامعِ مسجد ہردوئی میں امامت کا تقاضہ تھا، استاد گرامی حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دیا کہ وہاں چلے جاؤ، پھر جب وہاں اشرف المدارس قائم ہوا تو وہاں بھی ایک مدرس کی ضرورت تھی، تو وہاں مدرس ہوا، بہر حال! جب ذرائع آمدنی ہوئے، تو ہر مہینہ ایک روپیہ حج کے لئے محفوظ کرنے لگا، پہلی تنخواہ سے جمع کرنا شروع کیا، پھر وہ اتنے جمع ہوئے کہ حج کر سکوں گا، اس طرح الحمد للہ حج ہوا، پہلا حج اتنے مجاہدہ اور چاہت سے کیا، چاہت اتنے دن تک ثابت قدم رکھی، روپیہ روپیہ جمع کیا، کیوں؟ بس اس لیے کہ حج کو جانے کی خواہش تھی۔

کعبہ سنتے ہیں گھر ہے بڑے داتا کا ریاض
زندگی باقی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا

اور جب اللہ تعالیٰ نے چاہت وطلب کے اس معیار کو دیکھا تو پھر اس پہلے حج کے بعد بیسیوں مرتبہ حج کو جانے کا موقع عطا فرمایا؛ بلکہ وفات تک ہر سال جاتے رہے۔

(۳۱) اپنے بڑوں پر اعتماد اور خود رائی سے اجتناب ترقی کا زینہ ہے

ارشاد فرمایا: جب شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو حضرت قاری امیر حسن صاحب رحمت اللہ علیہ کو بھی ایک سال مدینہ میں رہنے کا موقعہ ملا، اس زمانے میں آپ نے مدینہ منورہ کے بعض بااثر رؤسا کے بچوں کو قرآنِ مجید پڑھایا، تو وہ لوگ آپ کی تعلیم سے اور آپ کے تقویٰ و پرہیزگاری سے بہت متاثر ہوئے، اور پیش کش کی کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کے لئے اقامہ کا انتظام کر دیں، آپ

بھی یہی چاہتے تھے کہ جب میرے شیخ یہاں آ گئے ہیں تو میں بھی یہیں پڑا رہوں، ایک تو دیارِ حبیب ہے اور دوسرے مدینہ منورہ میں رہنے مرنے کی فضیلت؛ لیکن حضرت قاری صاحب رحمت اللہ علیہ نے خود اپنی رائے پر عمل کرنے کی بجائے حضرت شیخ الحدیث کے سامنے اپنی یہ بات رکھی، حضرت شیخ نے فرمایا: پیارے! میں تو یہاں مرنے کے لیے آیا ہوں، تم لوگ ہندوستان جاؤ، وہاں کام کرو، ہندوستانی مسلمانوں کو تمہاری خدمت کی ضرورت ہے، حضرت شیخ کے حکم کے بعد آپ واپس ہندوستان تشریف لاکر پڑھنے پڑھانے کا کام شروع کر دیا۔ یہ حضرات اتنے بڑے بڑے مرتبوں اور فضل کے مقامات پر پہنچنے کے باوجود اپنی رائے پر اعتماد نہیں کرتے تھے، آج ہی درس میں حدیث آئی تھی کہ حضرت عمرؓ نے اپنا ایک گھوڑا ایک آدمی کو بہ طور ہدیہ دیا تھا، پھر حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ جس شخص کو گھوڑا دیا تھا وہ اس کو بازار میں بیچ رہا ہے، حضرت عمرؓ نے چاہا کہ گھوڑا بہت قیمتی ہے میں خود اُس کو خرید لیتا ہوں؛ تا کہ قیمتی چیز ضائع نہ ہو، لیکن آپؓ نے خود اپنی رائے پر عمل نہیں فرمایا؛ بل کہ آپؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا وہ گھوڑا میں خرید سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **لا ترجعن فی صدقتک** یعنی اپنا دیا ہوا صدقہ واپس نہ لو۔ (بخاری:۵۷۷۲)

دیکھو غور کرو کیا یہ چیز (یعنی اپنے نجی کاموں میں بھی اپنے بڑوں سے رابطہ اور اُن کی راہ نمائی اور پھر اُن کی ہدایت پر عمل آوری) اللہ کے نیک بندوں کی ایجاد اور بدعت ہے؟ یا صحابہ کرامؓ کی سنت؟ شخصی اور ذاتی زندگی میں بھی اپنے بڑوں سے مشورہ کرو، اگر وہ مناسب سمجھتے ہیں تو کرو ورنہ اس کو چھوڑ دو، یہی صحابہ کرامؓ کا طریقہ رہا ہے، اور یہی اچھا راستہ ہے؛ جس میں آدمی محض اپنی چاہت کی بنیاد پر کوئی کام نہیں کرتا؛ بلکہ اپنے متبعِ سنت شیخ و مربی کی رائے پر عمل کرتا ہے، بس اتنی بات ضرور ہے کہ شیخ کے انتخاب میں یہ چیز دیکھ لے کہ وہ دین کا عالم اور متبعِ سنت ہے یا نہیں؟ اور شریعت اسلامیہ کی روشنی میں رہنمائی کر سکتا ہے یا نہیں؟ کر سکتا ہے تو پھر اس کی رائے اور مشورہ پر عمل کرے، اسی طرح اللہ کے نیک بندوں نے سمجھ داری سے کام کیا ہے، اور کامیاب ہو گئے؛ لہذا سب لوگوں کو ایسا ہی کرنا چاہیے۔ (چاہے وہ طالب علم ہو یا استاد یا کوئی عام آدمی) من مانی زندگی جانوروں کی زندگی ہے ہم جانوروں کے مشابہ نہ بنیں۔

افاداتِ اکابر

ارشادالسالکین

"خانقاہِ سعیدیہ" میں ہر شمسی مہینے کے دوسرے اتوار کو صبح ۹/بجے تا شب ۹/بجے اصلاحی مجلس منعقد ہوتی ہے، اس میں جنوبی ہند کی تمام ہی ریاستوں سے تقریباً تین سو سالکین شرکت کرتے ہیں، صبح ۱۰تا ۱۲/بجے کی نشست میں شرکاء کے پوچھے گئے سوالات کے جواب مرشدی حضرت اقدس مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہ العالی خود دیتے ہیں، جو بہت ہی نافع ہوتے ہیں، علماء وعوام سب ہی اس کے قائل ہیں، اس لئے مولانا مفتی محمد احمد علی صاحب قاسمی زید فضلہ استاذ ادارۂ ہذا و مجازِ حضرت والا نے اِن کو جمع کر کے قارئین کے فائدے کے لئے شائع کیا ہے۔ازمرتب

نسیان کا مرض اور اس کا علاج

سوال (۳۱): کم عمری کے باوجود بھول جانے کی عادت ہے، یاد نہیں رہتا ہے، علاج تجویز فرمائیں۔

جواب: بعض دفعہ ذہن کمزور ہوتا ہے تو باتیں یاد نہیں رہتیں، تو اس لئے بار بار دہراتے رہنا چاہیے، اگر قرآن کریم یاد کرنا ہے تو کثرت سے پڑھنا چاہیے، اور اگر دین کی دیگر باتیں ہوں تو بار بار ان کا مذاکرہ کرتے رہنا چاہیے، اس سے انشاء اللہ باتیں ذہن میں محفوظ رہ سکیں گی۔

وسعتِ رزق کا مجرب وظیفہ

سوال (۳۲): وسعتِ رزق کے لیے کوئی وظیفہ بتلائیں۔

جواب: سوتے وقت اللہ پاک کے اسمائے گرامی میں سے یا وہاب جتنا ہو سکے پڑھ لیا کرو، اگر کاروبار ہو تو یَامُغْنِیُ یَاصَمَدُ 111 مرتبہ پڑھ لیا کرو، انشاء اللہ برکت ہوگی۔

مکتب کے بچوں کو کیا پڑھائیں

سوال (۳۳): میں ایک مکتب میں مدرس ہوں، مکاتب میں دینیات اور سورتوں کے حفظ کا اہتمام ہوتا ہے، موجودہ دور میں طلبہ کے لئے عقائد، تفسیر، فقہ کے سلسلہ میں آپ سے رہنمائی چاہتا ہوں۔

جواب: چھوٹے بچوں کو تو ابھی صرف عقائد کی تعلیم دیں، تفسیر، حدیث اور فقہ یہ سب علوم ابھی ان کی عمر کے حساب سے مناسب نہیں ہیں، حضرت مفتی سعید صاحب پالن پوریؒ نے ''محفوظات'' کے نام سے جو چھوٹے چھوٹے رسالے لکھے ہیں؛ وہ مکاتب کے لیے بہت مناسب ہیں، اس کے علاوہ بچوں کو عقیدے اور احکام کی آیات یاد دلائیں، ضروری فقہ دینیات کی کتابوں میں آ گیا ہے وہ کافی ہے، البتہ ہفتے میں ایک دن بچوں کو جمع کر کے ان کی صحیح عقیدہ اور اچھے اخلاق پر ذہن سازی کا کام کرنا چاہیئے، یہ اہل مکاتب کی بڑی ذمہ داری ہے۔

خلوت میں گناہوں کی عادت

سوال (۳۴): جب گھر میں بیوی بچے نہیں رہتے ہیں تو تنہائی میں گندی فلمیں دیکھتا ہوں، اور آخر میں کسی غلط کاری میں بھی مبتلا ہو جاتا ہوں، بہت روتا ہوں اور اللہ پاک سے معافی بھی مانگ لیتا ہوں، پر یہ عادت نہیں جاتی، رہنمائی فرمائیں۔

جواب: عادت تو عادت ہوتی ہے آسانی سے نہیں جاتی، عادتیں بڑی مشکل سے چھوٹتی ہیں، اس کا آسان حل یہ ہے کہ جب یہ سب کام تنہائی میں ہوتے ہیں تو تنہائی میں مت رہو، کسی ایسی جگہ پر رہو جہاں نفس کو یہ شرارتیں کرنے کا موقع ہی نہ ملے، جب تک ایسی تدبیر نہیں کریں گے عادت کا مقابلہ نہیں ہوسکتا، عادتیں کمزور نہیں پڑیں گی، اور جتنی مرتبہ دہرائیں گے عادتیں اور پختہ ہوتی جائیں گی، اور پھر اس عمل کا کیا فائدہ ہے جس میں نقصان طئے ہے، اس طرح اس عمل کے مضرات ونقصانات پر بھی غور کرلیا کرو۔ خلاصہ یہ ہے کہ محض افسوس اور توبہ عادت چھوڑنے کے لئے کافی نہیں، پختہ ارادہ کر کے تقاضے کا مقابلہ کرنا اور ابتلاء سے اپنے کو بچانا ضروری ہے۔

تعلیمی اداروں میں ہونے والی بدنظری کا علاج

سوال (۳۵): تلاوت قرآن کا اہتمام تو الحمدللہ ہو جاتا ہے، لیکن ذکر کا ایسا اہتمام نہیں ہوتا ہے، باقی فرائض واجبات اور سنن موکدہ کا بھی الحمدللہ اہتمام ہوتا ہے، میں اسکول کا ٹیچر ہوں، بڑی لڑکیوں کو پڑھاتا ہوں، بے نقاب رہتی ہیں، خوبصورت لڑکیوں سے بے ضرورت بات کرتا رہتا ہوں ایک لذت محسوس ہوتی ہے، میری رہنمائی فرمائے۔

جواب: قرآن کا جو اہتمام ہو رہا ہے دعا ہے کہ اللہ پاک مزید استقامت و برکت نصیب فرمائے، تھوڑی سی ہمت کر کے ذکر بھی کرلیا کرو اس کی بھی پابندی ہو جائے گی، ذکر میں بڑی خیر و برکت ہے، ایمان کو طاقت ملتی ہے، گناہوں سے بچنے کی قوت آتی ہے، باقی اسکول والی بات تو اسکول میں ضرور پڑھاؤ، ذریعہ معاش ہے، لیکن

لڑکیوں کی طرف نظر کرنے سے ہر ممکن احتیاط ضروری ہے، یہ طے کرلو کہ بات تو بالکل ہی نہیں کرنا ہے، حضرت شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے قلباً وقالباً دوری اختیار کرلو، یعنی دلی اور جسمانی دونوں طور پر دور ہوجاؤ؛ اس لیے کہ دونوں میں سے کسی ایک کا بھی رابطہ رہے گا تو پھر یہ بلا ختم نہ ہوگی،

طبیعت کی رَو زور پر ہے تو رُک
ورنہ یہ سر سے چڑھ جائے گی

اس لیے یہ تدبیر بہت لازمی ہے، اس کے باوجود اگر نقصان ہو رہا ہو تو کوئی دوسرا حلال روزگار تلاش کرلو۔

غیرُ اللہ کا صرف خیال ریا کاری نہیں

سوال (۳۶): بیان کرنے سے پہلے یہ خیال آتا ہے کہ لوگ خوش ہوجائیں؛ اس لیے بہت محنت سے مواد جمع کرتا ہوں، ریا کا بالکل ارادہ نہیں، مگر خواہش یہی رہتی ہے کہ میری تراویح اور بیان سے لوگ خوش ہوجائیں، ایسا خیال کا آجانا ریا ہے یا نہیں؟ برائے کرم رہنمائی فرمائیں۔

جواب: آپ اللہ کو خوش کرنے کا ارادہ کریں، بس یہ کافی ہے، باقی لوگوں کے خوش ہونے کا خیال آنے سے کچھ نہیں ہوتا، نفس کو یہ جواب دے دیا کرو کہ میں اتنی ساری محنت لوگوں کے لیے نہیں اللہ کے لیے کر رہا ہوں۔

نسبت مع اللہ کی دولت کب حاصل ہوتی ہے؟

سوال (۳۷): دعا فرمایئے کہ نسبت مع اللہ کی دولت نصیب ہوجائے تاکہ گناہوں سے بچ سکوں۔

جواب: آپ کہتے ہیں نسبت مع اللہ نصیب ہوجائے تاکہ گناہ چھوٹے یہ ''تقلیب ماہیت'' ہے؛ صحیح بات یہ ہے کہ گناہ چھوڑ دیجیے؛ تاکہ نسبت مع اللہ حاصل ہوجائے، گناہ چھوڑنا پہلے ہے نسبت مع اللہ بعد میں ہے۔

نسبت مع اللہ کا مطلب

سوال (۳۸): سنا ہے ''نسبت کا نور'' جس کو مل جاتا ہے اس کو گناہوں سے بچنا آسان ہوجاتا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔

جواب: ''نسبت'' کیا چیز ہے؟ ایک تو اہل اللہ کی نسبت ہے اس نسبت کا فائدہ یہ ہے کہ ''اہل اللہ'' کے ساتھ تعلق کی وجہ سے گناہوں سے بچنا آسان ہوجاتا ہے یہ ٹھیک ہے، لیکن اہلُ اللہ کے یہاں جس چیز کو ''نسبت'' کہا جاتا ہے وہ اللہ کے ساتھ خاص رشتہ ہے جو تقوے کی برکت سے حاصل ہوتا ہے، پہلے گناہ چھوٹیں، یادِ الٰہی کی مشق ہو، پھر نسبت کی کیفیت اللہ عطا فرمائیں گے۔

آداب واحکام

بینک انٹرسٹ کے مصارف

از: مولانا مفتی امانت علی قاسمی*

سود کی حرمت قرآن وحدیث میں جس قدر بیان کی گئی ہے اس سے ہر ایمان والا واقف ہے، قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝۲۷۸ (سورۂ بقرہ) ''اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو'' اور جو لوگ سود سے باز نہیں آتے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جنگ کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (سورۃ البقرۃ: ۲۷۹) ''لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ''۔ اسی طرح حدیث میں سود کی قباحت کے سلسلے میں حضرت عبید اللہ بن حنظلہؓ کی حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سود کا ایک درہم جو انسان جان بوجھ کر کھاتا ہے ۳۶ مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے (سنن دار قطنی، کتاب البیوع، ۳/ ۴۰۳، حدیث نمبر: ۲۸۴۳) اسی طرح حضرت ابو ہریرۃؓ کی حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ سود کے ستر اجزا ہیں جن میں سب سے ہلکا یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔

(سنن ابن ماجہ، باب التغلیظ فی الربا، ۳/ ۷۷ ۳، حدیث نمبر: ۲۲۷۳)

مال حرام کا حکم

مال حرام کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کا مالک معلوم ہے اور وہ بلاعوض حاصل کیا گیا ہے جیسے سود، رشوت، چوری وغیرہ کا مال تو اس کے مالک کو واپس کرنا ضروری ہے۔ اگر مالک وفات پا گیا ہے تو اس کے ورثہ کو لوٹانا ضروری ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو بلا نیت ثواب مستحق زکوۃ کو صدقہ کرنا ضروری ہے اور اگر وہ بالعوض حاصل کیا گیا ہے جیسے حرام ملازمت وغیرہ کے ذریعہ سے حاصل ہوا تو مالک کو واپس کرنا درست نہیں ہے؛ بلکہ اس کو بلا نیت ثواب صدقہ کرنا ہی ضروری ہے۔ باقی مال حرام کسی کو استعمال کے لیے دینا جائز نہیں اور نہ اس کی وجہ سے وہ مال پاک ہوگا۔ اسی طرح حرام رقم اصول وفروع کو صدقہ نہیں کر سکتے ہیں لہذا باپ بیٹے میں سے کوئی مستحق ہو تب بھی اسے حرام رقم نہیں دی جاسکتی ہے۔

* استاذ ومفتی دار العلوم وقف دیوبند

سود کے مصارف

سود کے مال کا بھی علماء نے تین مصارف بیان کیے ہیں ایک تو یہ کہ اگر مالک معلوم ہو تو مالک کو واپس کردیا جائے دوسرے یہ کہ اگر مالک معلوم نہ ہو یا مالک کو واپس کرنا ممکن نہ ہو تو بلا نیت ثواب صدقہ کردیا جائے۔تیسرے یہ کہ بعض حضرات نے رفاہی کاموں میں بھی لگانے کی اجازت دی ہے اسی وجہ سے بعض حضرات رفاہی بیت الخلاء حتی کہ مسجد کے بیت الخلاء میں لگانے کی بھی اجازت دی ہے،اسی طرح سڑک بنانے، یا مسافر خانے بنانے کی بھی اجازت دی ہے؛ جب کہ بعض علماء کی رائے ہے کہ سود کی رقم کو اس طرح صدقہ کرنا ضروری ہے کہ خود صاحب مال کو اس سے کسی طرح کا انتفاع نہ ہو جب کہ رفاہی کاموں میں لگانے میں خود صاحب مال بھی اس سے منتفع ہوسکتا ہے، مسجد کے بیت الخلاء میں لگانے کی صورت میں خود بھی اس مال سے مستفید ہوسکتا ہے، اس طرح مال حرام سے یا سودی مال سے فائدہ اٹھانا لازم آئے گا، خاص کر مسجد جیسے مبارک اور مقدس جگہ کے کسی حصے میں بھی ناپاک مال یا حرام مال کا لگانا مناسب نہیں ہے؛ اس لیے سودی رقم کو مسجد کے بیت الخلاء میں لگانا بھی درست نہیں ہے۔العرف الشذی میں ہے:احدهما ائتمار أمر الشارع و الثواب عليه، و الثاني: التصدق بمال خبيث، و الرجاء من نفس المال بدون لحاظ رجاء الثواب و اما رجاء الثواب من نفس المال فحرام بل ينبغي لمتصدق الحرام أن يزعم بتصدق المال تلخيص رقبته و لا يرجوا الثواب منه، بل يرجوه من ائتمار أمر الشارع (العرف الشذی شرح سنن الترمذی:۱/۳۸)

بینک انٹرسٹ کا مصرف

سود کی ایک صورت بینک انٹرسٹ ہے، بینک کے سیونگ اکاؤنٹ میں جو پیسے جمع کیے جاتے ہیں اس پر بینک کی طرف سے جو متعین اضافہ ملتا ہے وہ بھی سود ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ بینک سے وہ اضافی رقم وصول کرلی جائے اور بلا نیت ثواب صدقہ کردی جائے ،البتہ اگر کسی طرح بینک کو ہی واپس کرنا پڑے جس میں بظاہر اپنا کوئی فائدہ وصول نہ کیا گیا ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ويردونها على اربابها ان عرفوهم و الا تصدقوا بها لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق اذا تعذر الرد على صاحبه (رد المحتار، کتاب الحظر والاباحۃ،فصل فی البیع،۹/۵۵۳) قال شيخنا و يستفاد من كتب فقهائنا كالهداية و غيره ان من ملك بملك خبيث ولم يمكنه الرد الى المالك فسبيله التصدق على الفقراء -قال و الظاهر ان المتصدق بمثله ينبغي ان ينوي به فراغ ذمته و لا يرجو به المثوبة (معارف السنن:ابواب الطہارۃ،۱/۳۴) بینک سے نکالنے کے ضروری ہونے کے سلسلے میں مفتی نظام الدین صاحب لکھتے ہیں: سود کا پیسہ بینک میں چھوڑ دینے سے خطرہ

بہ ظن غالب ہے کہ وہ لوگ اپنے مذہبی کاموں کے فروغ میں خرچ کریں یا ایسے کاموں میں خرچ کریں جس سے مسلم قوم کو من حیث قوم مسلم نقصان پہونچے اس لیے بہ نیت حفاظت قوم مسلم یہ حکم دیا جاتا ہے کہ سود کے نام سے جو روپیہ ہے اس کو بینک میں نہ چھوڑا جائے؛ بلکہ وہاں سے نکال کر شرعی ضابطہ کے مطابق اپنی ملک سے نکال دیا جائے (منتخبات نظام الفتاویٰ ۳/ ۹۱۱۲)

بینک سے سودی رقم نکالنے سے پہلے صدقہ کرنا

بینک کے انٹرسٹ کا حکم معلوم ہوگیا ہے کہ اس کو بلا نیت ثواب صدقہ کرنا ضروری ہے؛ لیکن بسا اوقات آدمی اپنے اکاؤنٹ میں موجود سودی رقم کو رہنے دیتا ہے اور اپنے پاس سے اتنی مقدار بلا نیت ثواب صدقہ کرنا چاہتا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر سود کی رقم اکاؤنٹ میں آچکی ہے اس طور پر کہ اگر کھاتہ دار نکالنا چاہے تو بلا رکاوٹ کے نکال سکتا ہے اس صورت میں گویا اس سودی رقم پر اس کا قبضہ ہو چکا ہے؛ اس لیے بلا نکالے بھی وہ رقم صدقہ کرسکتا ہے ہاں اگر فکس ڈپازٹ کرایا ہے اور ابھی اصل رقم بھی نہیں نکال سکتا ہے تو اس فکس ڈپازٹ کی بنا پر جو سود ملنے والا ہے جب تک اصل رقم کے ساتھ سودی رقم پر قبضہ نہ ہو جائے اس وقت تک صدقہ کرنا درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ جب تک انٹرسٹ کی رقم پر قبضہ نہیں ہو جاتا ہے اس وقت تک اس متعین رقم کا تصدق واجب نہیں ہوتا ہے اب اگر نکالنے سے پہلے تصدق کردے تو واجب ہونے سے پہلے صدقہ کرنا لازم آئے گا جو کہ درست نہیں ہے اس لیے جب انٹرسٹ کی رقم اکاؤنٹ میں اس طرح منتقل ہو جائے کہ اکاؤنٹ ہولڈر اس کو نکال سکتا ہے تب صدقہ کرے، اسی طرح جس کو صدقہ کرنا ہے اس کے اکاؤنٹ میں آن لائن ٹرانسفر کردے تو بھی صدقہ کرنا درست ہو جائے گا۔

انٹرسٹ کی رقم سے بچوں کی فیس ادا کرنا

بینک انٹرسٹ کی رقم کا حکم بلا نیت ثواب تصدق ہے؛ اس لیے اگر بچے کے والدین غریب مستحق زکوۃ ہوں تو ان کے بچوں کو بھی یہ رقم بلا نیت ثواب دی جاسکتی ہے جس سے وہ اپنے اسکول کی فیس ادا کریں اسی طرح اگر انٹرسٹ کا حامل شخص خود ہی فیس وصول کردے تو بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے، جس طرح زکوٰۃ میں رقم دینے کے بجائے کوئی سامان خرید کردے دے تو بھی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے لیکن بہتر ہے کہ خود فیس ادا نہ کرے؛ بلکہ بچوں کو دے دے تاکہ بچے یا ان کے ماں باپ اپنے طور پر فیس ادا کردیں اس لیے کہ خود فیس ادا کرنے میں کسی حد تک سودی رقم کو استعمال کرنا لازم آتا ہے۔ اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ مال دے کر اپنا ذمہ فارغ کرلے۔

انکم ٹیکس اور ویٹ ٹیکس میں انٹرسٹ کی رقم دینا

بینک انٹرسٹ کا حکم ماقبل میں ذکر کردیا گیا ہے کہ بلا نیت ثواب صدقہ کرنا ضروری ہے اپنے کسی مصرف میں استعمال میں لانا جائز نہیں ہے؛ اسی لیے حکومت کی طرف جن چیزوں کا فائدہ براہ راست صارف کو ملتا ہے اور اس پر حکومت کی طرف سے ٹیکس وصول کیا جاتا ہے اس طرح کے ٹیکس میں بینک انٹرسٹ کی رقم لگانا جائز نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ اس صورت میں خود سود سے فائدہ اٹھانا لازم آئے گا جیسے ہاؤس ٹیکس، یا واٹر ٹیکس وغیرہ البتہ غیر شرعی سرکاری اور غیر واجبی ٹیکس میں انٹرسٹ کی رقم دینا جائز ہے اور غیر شرعی کا معیار یہ ہے کہ ایسا ٹیکس جس کی بظاہر کوئی منفعت ہم کو حاصل نہ ہو رہی ہو مثلاً انکم ٹیکس، سیل ٹیکس ویٹ ٹیکس وغیرہ اس میں بینک انٹرسٹ دینا جائز ہے (الربا، مولانا عبید اللہ اسعدی، ص:۲۸۷) یہاں پر ایک فرق کرنا ضروری ہے کہ اس طرح کے ٹیکس میں انٹرسٹ کی وہی رقم دے سکتے ہیں جو سرکاری بینکوں سے حاصل ہوں؛ اس لیے کہ اس صورت میں مالک کو رقم واپس کر کے اپنے ذمہ کو بری کرنا لازم آئے گا یعنی اس صورت میں سرکار کا پیسہ سرکار کو ادا کر کے آدمی حرام مال سے اپنا دامن بچا تا ہے؛ اس لیے یہ صورت جائز ہے لیکن اگر پراویٹ بینک کا سود ہو تو اس صورت میں ان ٹیکسوں میں یہ رقم نہیں دے سکتے ہیں؛ اس لیے کہ یہاں پر مالک کو واپس کرنا لازم نہیں آرہا ہے؛ بلکہ اپنے کسی مفاد کے لیے غیر مالک کو دینا لازم آرہا ہے جو جائز نہیں ہے۔ البتہ آج کل یہ موضوع حل طلب ہو گیا ہے اس لیے کہ مکمل طور پر بینک پراویٹ نہیں ہوتے ہیں؛ بلکہ اس میں حکومت کا شیئر بھی ہوتا ہے اس لیے یہ ایک دشوار موضوع بن جاتا ہے ایسی صورت میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غلبہ کا اعتبار کر لیا جائے اگر حکومت کے شیئر زیادہ ہیں تو اس صورت میں ایسے بینکوں کو یہ رقم دینا جائز ہوگا لیکن اگر زیادہ شیئر پراویٹ ہے تو پھر ان بینکوں کی انٹرسٹ کو مذکورہ ٹیکسوں میں دینا جائز نہیں ہوگا۔ اس سلسلے میں مفتی نظام الدین صاحب لکھتے ہیں: پہلے چند فقہی ضابطے نقل کر دیے جاتے ہیں انہی سے جواب خود بخود متفرع ہو جائے گا۔

(۱) والحاصل أنه علم ارباب الاموال وجب رده عليهم و الا فان علم عين الحرام لا يحل له و يتصدق به بنية صاحبه (شامی ۴/ ۱۳۰)

(۲) وشمل الرد حكما لما فی جامع الفصولين: وضع المغصوب بين يدی مالكه و ان لم يوجد حقيقة القبض (شامی ۵/ ۱۱۶)

(۳) غصب دراهم انسان من كيسه ثم ردها فيه بلا علم بری و كذا لو سلمه اليه بجهة

أخری کھبة أو ابداع أو شراء و کذالو أطعمه فأکله (شامی ۵/۱۱۶)

(۴) ویردونها (ای الاموال الخبیثة) علی أربابها ان عرفوہم و الا تصدقوا بها لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق اذا تعذر الرد علی صاحبه (شامی ۵/۲۴۷)

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اسٹیٹ بینک یا مرکزی حکومت کے اور جتنے بینک ہیں ان سے سود کی جو رقم ملے اس کو اگر مرکزی حکومت کے کسی غیر شرعی ٹیکس میں دے دے تو ذمہ بری ہو جائے گا جیسے انکم ٹیکس وغیرہ اور اگر مرکزی حکومت کے ٹیکس کے علاوہ صوبائی یا میونسپل بورڈ وغیرہ کے کسی مقامی یا نجی غیر شرعی ٹیکس وغیرہ دیدیا جائے تو ذمہ بری نہ ہوگا؛ بلکہ ایسی صورت میں اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے غرباء ومساکین پر تصدق کر دینا لازم ہوگا۔ تصدق بغیر نیت ثواب کے علاوہ کہیں اور کام میں خرچ کر دینا درست نہ ہوگا۔

(منتخبات نظام الفتاویٰ: ۳/۱۲۸)

جی ایس ٹی میں بینک انٹرسٹ کی رقم لگانا

آج کل حکومت ہر چیز پر جی ایس ٹی اٹھارہ فیصد وصول کرتی ہے جو غیر شرعی ہے اور غیر واجبی ہے اس لیے کہ ہر خام مال پر جو حکومت ٹیکس وصول کرتی ہے وہ علحدہ ہے پھر جب مال تیار ہو کر مارکٹ میں آجاتا ہے تو دوبارہ اس پر جی ایس ٹی کے نام سے رقم وصول کرتی ہے جس کی وجہ سے عام گاہک پر اس کا سیدھا بوجھ پڑتا ہے، کیوں کہ مال تیار کرنے والا جو حکومت کو مال پر جی ایس ٹی دیتا ہے وہ تاجروں سے وصول کر لیتا ہے پھر تاجر حضرات جو مال بیچنے پر جی ایس ٹی دیتے ہیں وہ گاہک سے لے لیتے ہیں اس طرح مال بنانے والے اور مال بیچنے والے پر اس کا اثر نہیں پڑتا ہے؛ بلکہ ان کو جی ایس ٹی ریٹرن کے نام پر مزید فائدہ بھی ہو جاتا ہے اس کا اصل بوجھ استعمال کرنے والے صارفین پر پڑتا ہے اس لیے اگر کوئی صارف کوئی سامان خریدے اور کمپنی کی طرف سے اس کو صراحت کر دی جائے یا بل پر لکھ دیا جائے کہ یہ مال اتنے کا ہے اور اس پر اتنا جی ایس ٹی ہے تو صارف اس میں بھی بینک انٹرسٹ کی رقم دے سکتا ہے اس لیے کہ حکومت کا پیسہ حکومت کو پہونچ گیا اور صارف کا ذمہ بھی بری ہو گیا تو جس طرح انکم ٹیکس میں اس کے غیر شرعی ہونے کی وجہ سے انٹرسٹ کا پیسہ دینا جائز ہے اسی طرح جی ایس ٹی کے غیر شرعی ہونے کی وجہ سے اس میں انٹرسٹ کا پیسہ دینا جائز ہے۔

جی ایس ٹی میں انٹرسٹ دینے کے سلسلے میں ایک دوسری رائے

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ فروخت کرنے والا تو جی ایس ٹی میں بینک انٹرسٹ کی رقم دے سکتا ہے لیکن

صارف جو سامان اپنے استعمال کے لیے خریدنے والا ہے وہ بینک انٹرسٹ کی رقم کو نہیں دے سکتا ہے مثلاً ایک آدمی آن لائن موبائل بک کرتا ہے اس کی قیمت چودہ ہزار ہے اس میں لکھا ہوتا ہے کہ گیارہ ہزار تو موبائل کی قیمت ہے اور تین ہزار جی ایس ٹی ہے اس صورت میں استعمال کے لیے خریدنے والا انٹرسٹ کی رقم سے تین ہزار ادا نہیں کرسکتا ہے؛ اس لیے کہ بائع نے جو چودہ ہزار قیمت بتائی ہے وہ سب ثمن ہے اور مکمل اس سامان کی قیمت؛ اس لیے اس میں سود کی رقم دینا گویا سود کو اپنے استعمال میں لانا ہے۔

لیکن یہ مسئلہ محلِ نظر ہے اس لیے کہ اس صورت میں بائع کے لیے بھی انٹرسٹ کی رقم دینا ناجائز ہونا چاہیے؛ اس لیے کہ انٹرسٹ کی رقم غیر واجبی ٹیکس میں دیا جاتا ہے جب کہ بائع کے حق میں وہ غیر واجبی رہتا ہی نہیں ہے کیوں کہ وہ جس قدر جی ایس ٹی دیتا ہے وہ خریدار سے وصول کرلیتا ہے اب اگر اس نے اپنے جی ایس ٹی میں بینک کے انٹرست کی رقم دے دی تو اس بائع کو دوگنا نفع ہوجائے گا ایک تو سرکار کی طرف سے جی ایس ٹی ریٹرن اس کو ملے گا، دوسرے یہ کہ اس نے اپنے جیب سے دینے کے بجائے انٹرسٹ کے پیسے دے دیے تیسرے یہ کہ اس نے صراحت کے ساتھ مشتری سے جی ایس ٹی کی رقم وصول کرلی جب کہ یہ بات عقل سے بالکل بعید معلوم ہوتی ہے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جی ایس ٹی کا اصل بار مشتری پر پڑتا ہے اس لیے غیر واجبی ٹیکس یہ مشتری کے حق میں ہے نہ کہ بائع کے اس لیے کہ بائع نے جی ایس ٹی مشتری سے وصول کرلیا جب کہ مشتری کو جو سامان گیارہ ہزار میں ملنا چاہیے تھا وہ چودہ ہزار میں مل رہا ہے گویا کہ غیر واجبی ٹیکس مشتری کے حق میں پایا جاتا ہے کیوں کہ بائع صاف کہتا ہے کہ سامان کی اصل قیمت تو گیارہ ہی ہزار ہے ہاں جی ایس ٹی کے تین ہزار آپ کو دینے ہوں گے اس لیے احقر کی رائے ہے کہ یہ غیر شرعی اور غیر واجبی ٹیکس خریدار کے حق میں ہے ہاں چوں کہ حکومت کا مشتری سے وصول کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے کہ وہ بائع کو مکلف بناتی ہے کہ وہ مشتری سے یہ رقم وصول کرے اور حکومت کو سامان کے حساب سے جی ایس ٹی ادا کرے یہی وجہ کہ جب حکومت جی ایس ٹی کا قانون لے کر آئی اور تاجروں نے اس پر اعتراض کیا تو حکومت نے ان کو یہ کہہ کر خاموش کردیا کہ اس میں تو تاجروں کا فائدہ ہے اس لیے کہ تاجر حضرات یہ رقم خریدار سے وصول کریں گے اور ان کے جی ایس ٹی ادا کرنے پر حکومت ان کو ریٹرن منافع کی شکل میں دے گی یہی وجہ سے تاجر حضرات صراحت کے ساتھ بلوں پر لکھتے ہیں کہ یہ سامان کی اصل قیمت ہے اور اتنا جی ایس ٹی ہے اگر مشتری سے وصول کرنا مقصود نہ ہوتا؛ بلکہ تاجروں سے ہی وصول کرنا مقصود ہوتا تو خریدار کو جی ایس ٹی بتانے کی ضرورت کیا ہے؟ آخر ہر سامان پر جی ایس ٹی رقم کی صراحت کیوں کی

جاتی ہے؟اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حکومت اصل جی ایس ٹی خریدار سے وصول کرتی ہے اس لیے اگر خریدار کو صراحت کے ساتھ معلوم ہو کہ اس سامان پر اتنا جی ایس ٹی ہے تو اس میں بینک انٹرسٹ کی رقم دینا جائز ہوگا ہاں اگر صراحت نہ ہو یا بل پر لکھا ہوا نہ ہو تو ایسی صورت میں کہا جائے گا کہ مجموعی رقم ہی اس سامان کی قیمت ہے اس صورت میں جی ایس ٹی کے نام پر انٹرسٹ کی رقم دینا جائز نہیں ہوگا۔

انٹرسٹ کی رقم کو بینک کے کاموں میں استعمال کرنا

بینک کی طرف سے بعض مرتبہ بینک کے کاموں پر چارج لیا جاتا ہے مثلاً ڈی ڈی بنانے پر چارج وصول کیا جاتا ہے، اسی طرح آن لائن ٹرانزکشن پر کچھ رقم وصول کی جاتی ہے، یا اے ٹی ایم کے استعمال کی ایک حد ہوتی ہے کہ ماہانہ تین مرتبہ فری پیسے نکال سکتے ہیں اس کے بعد پیسے نکالنے پر ہر مرتبہ کچھ چارج دینا ہوگا اس طرح کے کاموں میں انٹرسٹ کی رقم کا استعمال کرنا درست نہیں ہے اس لیے کہ یہ چارجیز غیر واجبی نہیں ہیں اس لیے اس میں انٹرسٹ کی رقم دینا درست نہیں ہوگا (فتوی دارالافتاء دارالعلوم دیوبند،فتوی نمبر:۱۶۱۲۲۹) ہاں بعض بینکوں کی طرف سے قید ہوتی ہے کہ ہر وقت اکاؤنٹ میں مثلاً پانچ ہزار یا دس ہزار رکھنے ہوں گے اس میں کمی ہو جائے تو چارج وصول کیا جاتا ہے اس میں بظاہر انٹرسٹ کی رقم دینا جائز ہے اس لیے کہ اپنے پیسے کو رکھنے کے لیے پیسے کی کسی خاص مقدار کو لازم وضروری قرار دینا بظاہر غیر واجبی عمل ہے جس میں انٹرسٹ کی رقم دینے کی گنجائش ہے۔

انٹرسٹ کی رقم بینک کے سود میں دینا

اگر کسی کا بینک میں سیونگ اکاؤنٹ ہو اور اس کو اس پر سود مل رہا ہو اور اس نے بینک سے لون لیا ہے یا اس پر کسی دوسرے بینک کا سود آیا ہوا ہے تو اس کے لیے اس سود میں انٹرسٹ کی رقم دینا جائز ہے؛ اس لیے کہ سرکار کا پیسہ سرکار کو واپس جا رہا ہے اس لیے مال حرام کا جو حکم ہے کہ مالک کو واپس کر دیا جائے اس حکم پر عمل ہو رہا ہے لیکن جان بوجھ کر بلا کسی شدید عذر کے بینک سے سودی قرض لینا یہ حرام ہے اور ایسا کرنے والا سود لینے کی لعنت و ملامت کا مرتکب ہوگا۔منتخباب نظام الفتاویٰ میں ہے: دوسرے یہ کہ یہ سود مرکزی حکومت سے ملتا ہے اور یہ بینک سے قرض لے کر جو سود دینا ہوتا ہے وہ بینک کو دینا ہوتا ہے اور بینک بھی مرکزی حکومت کا ہوتا ہے اور ہر حرام مال کا شرعی حکم یہ ہے کہ جہاں سے ملا ہو وہاں واپس کر سکے تو واپس کر دے پس اس قاعدہ شرعی کے تحت جو رقم سود کے نام پر سینٹرل گورنمنٹ سے ملی تھی اس کو بینک کے سود کے نام سے اگرچہ دیا مگر اصل میں جہاں کی وہ رقم تھی وہاں ہی پہونچا دی اس لیے یہ صورت شرعاً گنجائش رکھے گی۔(منتخبات نظام الفتاوی، ۱۰۶/۳)

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

معجزہ اور استدراج میں فرق

سوال: معجزہ اور استدراج میں کیا فرق ہے؟

جواب: معجزہ، انبیاء کرام کو دیا جاتا ہے، اور استدراج، کفار کو دیا جاتا ہے، اور یہ حقیقت میں کفار کو مہلت دے کر پکڑنا ہے۔ (فتاوی دار العلوم، ۱۸/ ۲۴۳)

روزہ کا فدیہ

سوال: روزوں کا فدیہ کیا ہے؟ اور وہ کب واجب ہوتا ہے؟

جواب: اگر کسی کے ذمہ قضا روزے باقی ہوں اور اس کا انتقال ہو جائے یا وہ اس قدر بیمار ہو جائے کہ پر اب اس کے صحت یاب ہونے کی امید نہ رہے تو ایسے حد درجہ عمر رسیدہ شخص کی طرف سے اس کے قضاء روزوں کا فدیہ ادا کیا جاءے گا۔ لیکن اگر وہ شخص حیات ہے اور بیمار تو ہے لیکن اس قدر بیمار ہے کہ وہ ایک ایک دو دو کر کے وقفہ وقفہ سے روزے رکھ سکتا ہے تو اس کے ذمے روزہ کی قضاء ہی ضروری ہوگا، فدیہ ادا کرنے سے ذمہ ختم نہیں ہوگا۔ لہٰذا اگر مذکورہ شخص روزے رکھنے پر بالکل قادر نہیں اور اس کے صحت مند ہونے کا امکان بھی نہیں ہے تو ہر روزے کے بدلے صدقہ فطر کی مقدار پونے دو کلو گیہوں فقراء و مساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے فدیہ میں صدقہ فطر کی طرح گندم کی جگہ اس کی قیمت بھی ادا کرنا جائز ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم، ۶/ ۴۶۱)

شدتِ مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے پر فدیہ

سوال: اگر کوئی شدتِ مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے اور اسی حالتِ بیماری میں اس کا انتقال ہو جائے، لیکن بہ وقتِ انتقال یہ وصیت کرے کہ اس رمضان کا فدیہ دیدینا، پس کیا اس صورت میں فدیہ دینا واجب ہے یا نہیں؟

جواب: ان روزوں کا فدیہ دینا واجب نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم، ۶/ ۴۶۳)

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

شوال کے چھ روزے

سوال: شوال کے چھ روزوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: شوال کے چھ روزے رکھنا مستحب ہے، احادیثِ مبارکہ میں اس کی فضیلت وارد ہوئی ہے، البتہ عید کے دن کو چھوڑ کر شوال کی دوسری تاریخ سے لے کر مہینہ کے آخر تک الگ الگ کر کے اور اکٹھے دونوں طرح رکھے جاسکتے ہیں۔ اگر کوئی روزہ نہ رکھے تو اسے طعن وتشنیع کا نشانہ نہیں بنانا چاہیے؛ کیوں کہ یہ مستحب روزے ہیں، جسے رکھنے پر ثواب ہے اور نہ رکھنے پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ۶/ ۴۸۹)

کیا "خدا" ہر شی میں ہے؟

سوال: بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ خدا، ہر چیز میں ہے کیا یہ درست عقیدہ ہے؟

جواب: یہ اسلامی عقیدہ نہیں ہے، کیوں کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ حسین وقبیح، پاک و پلید ہر چیز میں موجود ہے، اور اس امر کی قباحت ظاہر ہے، لہذا ایسا عقیدے رکھنے والے کو خارج از اسلام سمجھا جائیگا۔

(محقق ومدلل جدید مسائل، ۲/ ۴۲)

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشے کی جانب رخ کر کے درود شریف پڑھنا

سوال: کیا ہر نماز کے بعد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشے کی جانب رخ کر کے ہاتھ باندھ کر درود شریف پڑھنا درست ہے؟

جواب: یہ کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ہے، البتہ نماز سے پہلے یا بعد میں جب دل چاہے، جس قدر بھی توفیق ہو، بڑے ادب واحترام کے ساتھ بیٹھ کر درود شریف پڑھنا بہت بڑی سعادت ہے، کیوں کہ درود شریف کی حدیث پاک میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ (محقق ومدلل جدید مسائل، ۲/ ۴۶)

قرآن کریم گرنے پر صدقہ

سوال: عوام میں مشہور ہے کہ قرآن کریم گر جائے، تو قرآن کے برابر گندم صدقہ کرے، کیا یہ درست ہے؟

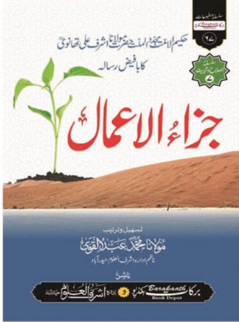
جواب: شریعت اسلامیہ نے قرآن کریم کا ادب واحترام کرنے کا حکم دیا ہے، لہذا اگر کسی کے ہاتھ سے قرآن کریم گر جائے، تو قرآن کی بے ادبی ہوئی، اس لیے توبہ واستغفار کرنا ضروری ہے اور عوام میں جو مشہور ہے کہ قرآن کریم گر جائے تو قرآن کے برابر گندم صدقہ کرے، فقہ کی کسی کتاب میں اس کی صراحت نہیں ملتی۔

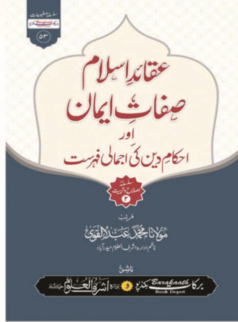
(محقق ومدلل جدید مسائل، ۲/ ۷۳)

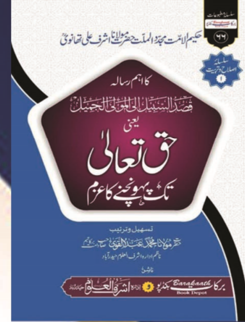
ASHRAFUL JARAID MONTHLY Rs20/-

RNI No: APURD/2007/24089 Postal. No: HSE/884/23-25

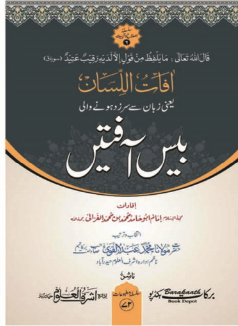
Date of Publication 3rd Apr-25, Date of Posting 5th Apr-25

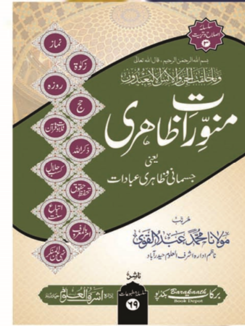


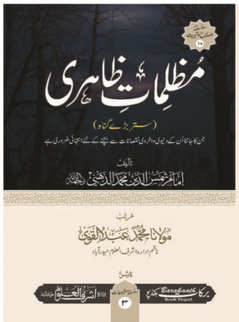


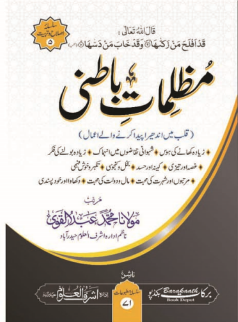


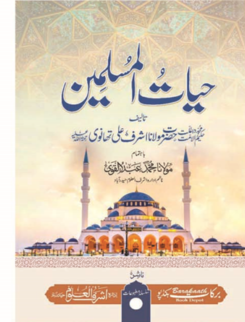












Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059

Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059

Editor : Mohammed Abdul Qavi. Printed at: Aish Offset Printers, Cellar Masjid-e-Meraj, Sayeedabad, Hyd-59